معارف کا زرِ تعاون

ہندوستان میں سالانہ ساٹھ روپیے   فی شمارہ پانچ روپیے

پاکستان میں سالانہ ایک سو پچاس روپیے

دیگر ممالک میں سالانہ   ہوائی ڈاک   پندرہ پونڈ یا چوبیس ڈالر

بحری ڈاک   پانچ پونڈ یا آٹھ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ شیرستان بلڈنگ

بالمقابل ایس ایم کالج۔ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

- سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں، بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

- رسالہ ہر ماہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کے آخر تک رسالہ نہ پہونچے تو اس کی اطلاع اگلے ماہ کے پہلے ہفتہ کے اندر دفتر معارف میں ضرور پہونچ جانی چاہیے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالے کے لفافے کے اوپر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

کمیشن ۲۵٪ ہوگا ـــــ رقم پیشگی آنی چاہیے۔

جلد ۱۵۰ ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۲ء عدد ۴

مضامین

مقالات

معارف کی ڈاک

شذرات

سنہ ۴۷ء میں جو انقلاب آیا اس نے ملک کی زمین و آسمان بالکل بدل دیا۔ اور اب ایک نیا ماحول اور نیا معاشرہ وجود میں آچکا ہے۔ ہر چیز نئے سانچے میں ڈھل گئی ہے۔ قدیم قدریں مٹ گئیں اور نئی قدروں نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ ملک میں ہونے والی ان تبدیلیوں کا اثر سب سے زیادہ مسلمانوں پر پڑا۔ وہ اپنے ماضی سے بالکل کٹ گئے اور غالب تہذیب کے رنگ میں نہایت تیزی سے رنگتے جارہے ہیں۔ ان کی وضع قطع، رہن سہن، مزاج و مذاق میں فرق آگیا۔ ان کی زبان اور لب و لہجہ میں تغیر ہوگیا۔ رسم و رواج بدل گئے۔ فکر و نظر میں انقلاب آگیا۔ اور ان کے عقائد و اعمال پر بھی دوسروں کے عقائد و اعمال کی گہری چھاپ پڑ گئی ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ... یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مسلمانوں کا مذہب دائمی اور ابدی ہے۔ اس پر زمان و مکان کی تبدیلیاں اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ وہ لین دین کا کوئی سودا نہیں ہے جو خدا اور بندوں کے درمیان ٹھہر گیا ہو اور جب چاہا اس میں ردوبدل کر لیا۔ اس لیے مسلمان جن عقائد اور توحیدی تصور کے حامل ہیں۔ اصنامی عقائد و تصورات سے ان کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ اسلام ہر اعتبار سے کامل، جامع، بے عیب، بے لچک اور سب سے فائق و برتر ہے۔ اس کے بے لچک دائرۂ فکر میں کسی اور فکر و خیال کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ دوسروں سے کسی قسم کی مفاہمت اور رواداری کے مقابلہ میں وہ عقیدہ کی مضبوطی، رائے کی پختگی اور فکر کی استقامت کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اور اس میں کسی حال میں بھی لچک اور تبدیلی کو پسند نہیں کرتا۔ اس لیے اگر مسلمانوں کے فکر و خیال پر دوسروں کی چھاپ پڑ گئی یا ان کے توحیدی تصور پر اصنامی عقائد غالب آگئے تو وہ مسلمان باقی نہیں رہیں گے کیونکہ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر ... خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی

ہم ان صفحات میں پہلے بھی لکھتے رہے ہیں کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تصویر روز بروز مدھم اور دھندلی ہوتی جارہی ہے۔ ان کا امتیاز و تشخص ختم ہوتا جارہا ہے۔ وہ اپنی روایات و خصوصیات ترک کرتے جارہے ہیں۔ ان کی تہذیب اور ان کا کلچر اس ملک سے اور خود ان کی زندگی سے غائب ہوتا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ان عقائد و خیالات سے بھی دستبردار ہوتے جارہے ہیں جن پر ان کے ایمان و اسلام کا انحصار اور دین و مذہب کا اصل دار و مدار ہے۔ اس طرح ملک میں مسلمانوں کے ایک قابل لحاظ طبقہ خصوصاً ان کی نئی نسلوں کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور بعض بعض علاقوں کے مسلمانوں اور دوسری قوموں کے افراد میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا ہے۔

کیا اس صورت حال کو پیدا کرنے کی ذمہ دار تنہا حکومت ہے؟ جیسا کہ آج مسلمانوں کے بڑے طبقے کا خیال ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ حکومت دودھ کی دھلی ہے۔ وہ اپنے کو جمہوری اور سیکولر کہنے کے باوجود نہایت منظم طریقہ سے اور مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمانوں کا حلیہ بگاڑنے میں لگی رہی ہے۔ انھیں اس حد تک پہونچانے میں اس کے داؤں پیچ، حکمت عملی اور نظام تعلیم کا بڑا دخل ہے۔ لیکن کیا اس کی وجہ سے مسلمان اپنی ذمہ داری اور خدا کے یہاں جواب دہی سے بری ہو جائیں گے۔ خدا نے ان کے سینوں میں توحید کا نور اور دلوں میں ایمان کی قندیل روشن کی تھی پھر بھی ان کے علماء، زعماء، دانشوروں اور ذی شعور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے دین و عقیدہ صاف ہوتا جارہا ہے اور وہ حکومت کو برا بھلا کہہ کر اور اسی پر ساری ذمہ داری ڈال کر مطمئن اور قانع ہو جاتے ہیں۔

جن لوگوں میں بھی ایمان کی کچھ حرارت اور دین کا درد باقی ہے انھیں غفلت و بے حسی چھوڑ کر مسئلہ کی نزاکت و اہمیت کو سمجھنا اور چوکنا ہو جانا چاہیے ع عنادل باغ کے

غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں۔ انھوں نے اپنے کو جن غیر ضروری اعمال و اشغال میں لگا رکھا ہے اور وہ جن غلط قسم کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں میں پڑ گئے ہیں، ان سے کنارہ کش ہو کر ان کو مسلمانوں کو ان کے دین و ایمان پر باقی رکھنے کی فکر میں لگ جانا چاہیے۔ زعمائے قوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ چراغ مصطفوی کو شرار بولہبی کی زد سے محفوظ رکھنے کے لیے اب حکومت کے خلاف محاذ آرائی، تصادم، پرجوش اور اشتعال انگیز نعروں ہی سے کام نہیں چلنے والا ہے۔ اور نہ حکومت کو گالیاں دے کر اور احتجاج اور ہنگامے کر کے اس ملک میں اسلام کے تحفظ کا سامان کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت جدید فکر و فلسفہ کی تعلیم پائے ہوئے لوگوں کو بھی اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات ہو گئے ہیں۔ اور یہ لوگ اسلام کو اپنے اعتراضات کا ہدف بھی بنائے ہوئے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے سب کو منظم و متحد ہونا ضروری ہے۔

اس نازک موقع پر وارث انبیاء کی حیثیت سے سب سے بڑی ذمہ داری علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے جن کے بگڑنے ہی سے پوری قوم بگڑی ہوئی ہے۔ اگر وہ درست ہو جائیں تو قوم بھی درست ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ متعدد گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اور سب اپنے اپنے حال میں مگن ہیں: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ آخر وہ اسلام کے خلاف ہونے والی شیطنت اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے والی سازشوں کے خلاف کب متحد اور منظم ہوں گے۔ اس وقت کسی خاص فرقہ و مسلک کے تحفظ کا سوال نہیں ہے بلکہ نفس اسلام کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہے۔ جو آندھی چل رہی ہے وہ خس و خاشاک کی طرح اسلام کو اڑا لے جانا چاہتی ہے۔ اگر اسلام اور اسلامی تہذیب ہی باقی نہیں رہی تو کسی خاص مسلک و طبقہ کی بقا کیسے ممکن ہوگی۔ صوفیہ و مشائخ اور عباد و زہاد سے بھی باادب عرض کرنا ہے کہ وہ میدان عمل میں اتریں۔ اگر مسلمانوں میں روح محمدی باقی نہیں رہی تو حال و قال کی سرمستیاں کس کام کی؟

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری ٭ کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

مقالات

حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ

سوادِ عراق کے فاتح اوّل

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

قدیم زمانہ سے عراق، سوادِ عراق، بحرین، عمان اور پورے ساحلی علاقوں میں عربوں کے مشہور قبائل کثیر تعداد میں بداوت و بدویت کی زندگی بسر کرتے تھے، یہ تمام علاقے شاہانِ فارس کے زیر نگیں تھے اور ان میں اور عرب قبائل میں جنگ و جدال کی گرم بازاری رہا کرتی تھی، جب آخری دور میں فارس کی سلطنت میں زوال شروع ہوا تو عرب قبائل اپنے سرداروں کی قیادت میں بڑے ہمت و حوصلہ سے ان سے برسرِ پیکار رہنے لگے حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ریگستانِ عرب کی گرم اور تند و تیز ہواؤں کے جھونکے فارس کے شاہی ایوانوں سے ٹکرانے لگے اور صحرا نشینوں کی نگاہیں اس کے مرغزاروں کی طرف اٹھنے لگیں، خاص طور سے جنگ ذی قار کے بعد جس میں کسریٰ پرویز کی فوج کے مقابلہ میں بکر بن وائل کے قبیلہ بنو شیبان کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی، بدوی قبائل میں عجمیوں سے نبرد آزما ہونے کی جرأت پیدا ہو گئی اور وہ اپنی حدود سے نکل کر بلاد فارس کے اندر منظم طریقہ سے غارت گری کرنے لگے، ان میں حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے جو اپنے قبیلہ بنو شیبان کو لے کر اندرون فارس یلغار کرتے تھے، انھوں نے مسلمانوں کی ہمت افزائی

کرکے عراق میں اسلامی فتوحات کی ابتدا کی اور اس چشمہ سے فتوحات کا وہ سیل
جاری ہوا جو چند برسوں میں فارس کی عظیم و قدیم ساسانی سلطنت کو خس و خاشاک
کی طرح بہالے گیا۔

ان کی مجاہدانہ سرگرمی کی خبریں حضرت ابوبکرؓ کو ملا کرتی تھیں اور وہ انکے
بارے میں مزید معلومات چاہتے تھے، اسی دوران فتنۂ ارتداد فرو ہوا جس سے مسلمانوں
کو ایک گونہ اطمینان ہوا تو مثنیٰ بن حارثہؓ نے خود آکر حضرت ابوبکرؓ کو سلطنت فارس کی
ابتری اور اپنی کارکردگی تفصیل سے بیان کی، ان کو سواد عراق میں جہاد کی ترغیب
دے کر اپنی قائدانہ صلاحیت کی پیش کش کی اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی امارت میں
شاندار فتوحات حاصل کیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر مسلمانوں کو
اپنے مشاہدات و تجربات سے آگاہ کیا اور شاہان فارس سے ان کی مرعوبیت دور کرکے
جہاد کے لیے آمادہ کیا، اس کے بعد حضرت ابوعبید ثقفیؓ اور حضرت جریر بن عبداللہ
بجلیؓ کی زیرامارت فتوحات کیں، حضرت عمرؓ نے ان کو "مومن نفسہ" کے خطاب سے نوازا،
حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کی خدمات کو سراہا اور شعرا نے ان کی مدح و ستائش میں
اشعار کہے۔

افسوس کہ مثنیٰ بن حارثہ صرف دو ڈھائی سال تک ہی فتوحات کرسکے اور
فتح قادسیہ سے پہلے انتقال کرگئے ورنہ خلافت راشدہ کے فاتحین عظام حضرت
خالدؓ بن ولید، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبیدہؓ بن جراح، حضرت عمروؓ بن
عاص رضی اللہ عنہم کی طرح وہ بھی اسلام کے عظیم فاتحوں میں شمار ہوتے، اس وقت
اسی بطل جلیل اور سواد عراق کے فاتح اول کا ذکر کیا جارہا ہے۔

نام و نسب اور قبیلہ بنو شیبان

ان کا نام و نسب یہ ہے، حضرت مثنیٰ بن حارثہ بن سلمہ بن
ضمضم بن سعد بن مرہ بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ
بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ربعی شیبانی رضی اللہ عنہ[1] موصل کے شمال میں عرب
کے مشہور و قدیم قبائل ربیعہ، مضر، بکر بن وائل وغیرہ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے،
اسی قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ بنو شیبان، بنو ذہل اور بنو عجل وغیرہ تھے، ہمدانی
نے لکھا ہے کہ جبل طور کے صحرائی جانب (صحرائے سینا) سے دیار بکر بن وائل کی حد
شروع ہوکر خراسان تک چلی گئی تھی، یہ پورا علاقہ بنو شیبان اور ان کے حلیف
قبائل کا مسکن ہے، ان کے ساتھ کردوں کے علاوہ اور کوئی قوم نہیں رہتی ہے،[2]
موصل کے بعد علی الترتیب دیار ربیعہ، دیار مضر اور دیار بکر واقع تھے، آج کل
دیار بکر ترکی کا جنوبی صوبہ ہے، اس علاقہ کے کرد ایران، ترکی اور عراق میں آباد
ہیں اور اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کررہے ہیں، یہاں بہت سے دیار بکر کے علما
و ائمہ گزرے ہیں۔

بکر بن وائل اور بنو شیبان جاہلی دور کے ایام و حروب میں مشہور تھے،
بکر اور تغلب کی باہمی جنگ جاہلی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، ایک مرتبہ شاہِ حیرہ
منذر بن ماء السماء سے بھی انھوں نے ٹکر لی تھی، یوم نعف نشاوہ، یوم بلیحہ، یوم
زبالہ، یوم زرود وغیرہ کی جنگ میں مختلف قبائل پر فتح حاصل کی تھی، ایک مرتبہ
حضرت عمرؓ نے عرب کے مشہور شہسوار اور بہادر جنگجو عمرو بن معدیکرب سے پوچھا کہ تم
کس قبیلہ کے مقابلہ سے گھبراتے تھے، انھوں نے بتایا کہ بکر بن وائل کے بنو شیبان

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۳۲۴ [2] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۲۰۶۔

سے، حضرت معاویہؓ نے اپنے دربار کی ایک مجلس مفاخرہ میں ان کے بارے میں کہا کہ بکر بن وائل میں بنو شیبان سب سے زیادہ قابلِ فخر ہیں، اسی قبیلہ کے رئیس اور مشہور شہسوار حضرت مثنیٰ بن حارثہ تھے[1]

خدمت نبوی میں حاضری اور قبول اسلام

خدمت نبوی میں ان کے حاضر ہوکر مسلمان ہونے کی تصریح اہل علم نے یوں کی ہے،

كان اسلامه وقدومه على النبي صلى الله عليه وسلم سنة تسع، ويقال سنة عشر،[2]	۹ھ یا ۱۰ھ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مسلمان ہوئے۔

مگر ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے قبیلہ کے چند اشراف و اعیان ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام کے بارے میں معتقدانہ خیالات ظاہر کر چکے تھے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو شیبان کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت ان میں مثنیٰ بن حارثہ، مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ اور نعمان بن شریک موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ اپنے قبیلہ کے ذمہ دار اور اعیان و اشراف ہیں، آپؐ نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ الخ جس کو سنکر مفروق

[1] العمدہ، ابن رشیق ج ۲ ص ۱۹۱ تا ص ۲۱۱ ملخص و مروج الذہب ج ۲ ص ۳۳۴
[2] الاستیعاب ج ۱ ص ۳۰۰ و الاصابہ ج ۶ ص ۴۲۔

بن عمرو نے جو ان میں سب سے زیادہ وجیہ و شکیل اور فصیح و بلیغ تھے کہا کہ یہ زمین والوں کا کلام نہیں ہے، اگر ان کا کلام ہوتا تو ہم ضرور سمجھ جاتے، مثنیٰ بن حارثہ نے بھی اسی قسم کی باتیں کیں، اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى الخ اس کو سن کر مفروق نے کہا کہ واللہ، اے قریشی! آپؐ نے محاسن اخلاق اور مکارم اعمال کی دعوت دی ہے، لوگ بلا وجہ آپؐ کو تکلیف دے کر تکذیب کرتے ہیں اور مثنیٰ نے کہا کہ آپؐ کی باتیں مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، مگر ہم کسریٰ بادشاہ کے ساتھ اس عہد و پیمان کے پابند ہیں کہ ان کی سلطنت میں ہم کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کریں گے اور نہ ایسا کرنے والے کو پناہ دیں گے، آپ جس بات کی ہم کو دعوت دے رہے ہیں شاید اس کو سلاطین ناپسند کریں، اس لیے آپؐ کہیں تو ہم آپؐ کی مدد کر سکتے ہیں اور عربوں کو آپؐ کی مخالفت سے روک سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتیں سن کر فرمایا کہ بہت اچھا ہوا کہ تم لوگوں نے صاف اور سچی بات کہدی، اللہ کے دین کی حفاظت وہی شخص کر سکتا ہے جو اس کے تمام احکام پر عمل کرکے اس کے سارے تقاضوں کو پورا کرے، اسکے بعد آپؐ ابوبکرؓ کو لے کر وہاں سے چلے آئے[1]

اس واقعہ میں مثنیٰ بن حارثہ اور مفروق بن عمرو وغیرہ کے مسلمان ہونے کی تصریح نہیں ہے، البتہ مثنیٰ اور مفروق بعد میں مسلمان ہوگئے، باقی لوگوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔

ذاتی حالات و کمالات

۹ھ کے بعد مثنیٰ بن حارثہ کے خدمت نبوی میں حاضر ہونے

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۴۰۸۔

کی تصریح نہیں ملتی ہے، عدود صفر ۱۲ھ میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور سوادِ عراق میں جہاد کے لیے اپنے تجربات و مشاہدات بیان کر کے مسلمانوں کی ہمت افزائی کی، اسی سلسلہ میں ۱۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رمضان ۱۳ھ میں ایک جہاد میں شدید زخمی ہوئے اور ۱۴ھ میں فوت ہوگئے، اسی دو[2] ڈھائی سال کی مختصر مدت کے فاتحانہ کارنامے کتابوں میں ملتے ہیں، جو ان کی زندگی کا حاصل اور ان کے مناقب و فضائل کے لیے کافی ہیں، ابن حزم لکھتے ہیں کہ مثنیٰ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خلافت صدیقی میں اہل فارس سے جنگ کی اور وہ مہران کے قاتل ہیں[1]، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ انھوں نے قتال فارس میں وہ مقام حاصل کیا ہے جہانتک کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکا، وہ اہل فارس پر کثیر الغارات تھے[2]، ابن حجر کا بیان ہے کہ فتوحات کے باب میں مثنیٰ کے بہت سے واقعات و اخبار ہیں، جن کو سیف، طبری اور بلاذری وغیرہ نے ذکر کیا ہے[3]، انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کی اجازت سے اپنے کو اپنی قوم کا امیر بنایا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ ان کو مومر نفسہ (خود ساختہ امیر) کہا کرتے تھے، گویا اس طرح ان کی مجاہدانہ صلاحیت و خدمت کا اعتراف کر کے ان کی اس خصوصیت کو نمایاں کرتے تھے ان کے ذاتی اوصاف و کمالات کو تذکرہ نگاروں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کان شہماً، شجاعاً،	مثنیٰ باحیثیت، بہادر، صاف باطن
میمون النقیبۃ، حسن	صائب الرائے، اپنی قوم کے سردار
الرأی، سید قومہ،	اور ان کے مانے ہوئے شہسوار تھے،

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۳۲۵ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۹۹ [3] اصابہ ج ۶ ص ۱۴۱۔

وفارسہم المطاع[1]

ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ نے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے جس کا نسب معلوم ہونے سے پہلے اس کی جنگ کی خبریں مل رہی ہیں؟ تو قیس بن عاصم منقری تمیمیؓ نے ان کا غائبانہ تعارف ان الفاظ میں کرایا:

اما انہ غیر خامل الذکر،	وہ نہ غیر معروف ہیں، نہ مجہول النسب
ولا مجہول النسب، ولا	ہیں، نہ آدمی کی کمی ہے، نہ انکا مکان
قلیل العدد، ولا ذلیل العماد،	معمولی ہے، وہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی
ذلک المثنیٰ بن حارثہ	ہیں۔
الشیبانی،[2]	

ان بیانات کی روشنی میں ان کی عظیم شخصیت اور ذاتی اوصاف کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے، وہ مخضرم شاعر بھی تھے، مرزبانی نے معجم الشعراء میں ان کے یہ اشعار دیے ہیں۔

سالوا البقیۃ والرماح تنوشہم ۔۔۔ شرق الاسنۃ والنحور من الدم

دشمنوں نے زندگی کا سوال کیا، حالانکہ نیزے انکو نوچ رہے تھے اور انکے دانت اور گردنیں خون سے سرخ ہو رہی تھیں۔

فترکت فی نقع العجاجۃ منہم ۔۔۔ جزراً لساعتہ ونسر قشعم

اور میں نے ان کو گرد و غبار میں اس طرح چھوڑا کہ مادہ گدھ کے لیے فوراً غذا اور شکار بن جائیں؟[3]

مثنیٰ بن حارثہ کے شاعرانہ ذوق کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مشہور مخضرم شاعر

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۹۹ و تجرید اسماء الصحابہ ج ۲ ص ۵۱ [2] فتوح البلدان ص ۲۴۲ و اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۹۹ [3] اصابہ ج ۶ ص ۴۱ و ۴۲۔

عبد بن طیب تمیمیؓ قتال ہرمز میں انکے ساتھ تھے جن کا یہ شعر ہے

یقارعون روس الفرس ضاحیة　　　منھم فوارس لا عزل ولا میل

اسلامی لشکر کے شہ سوار دن چڑھے ایرانیوں کے سروں پر مسلسل ضرب کاری لگا رہے ہیں،

قیس بن عاصم منقری تمیمیؓ کے مرثیہ میں عبد بن طیب کا یہ شعر بہت مشہور ہے،

وما کان قیس ھلکه ھلک واحد　　　ولکنه بنیان قوم تھدما[1]

قیس کی موت فرد واحد کی موت نہیں ہے بلکہ ایک قوم کی بنیاد گر گئی ہے،

مثنیٰ بن حارثہ کے زور خطابت اور فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ انکے چند جملے مجاہدین کے دل گرما دیتے تھے، ان کے بھائیوں میں مسعود بن حارثہ شیبانی مشہور شہ سوار تھے اور جہاد و فتوحات میں ان کے شریک رہکر شہید ہوئے، ایک مرتبہ مثنیٰ بن حارثہ نے ان کو مدد طلب کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیجا تھا،

ان کی بیوی سلمیٰ بنت حفصہ اپنے شوہر کی طرح عاقلہ، فاضلہ اور بہادر عورت تھیں، مثنیٰ بن حارثہ کی شہادت کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور دونوں حضرات کے ساتھ جہاد میں شریک رہا کرتی تھیں، دو صحابہ کی بیوی تھیں مگر ان کی صحابیت کی تصریح کتابوں میں نہیں ہے، جنگ قادسیہ کے موقع پر سعد بن ابی وقاص پھوڑے کی وجہ سے دوسرے شخص کو امارت دیکر خود قصر قادسیہ کے بالاخانہ سے میدان جنگ کا نقشہ دیکھ رہے تھے، اس وقت سلمیٰ بنت حفصہ نے حسرت و افسوس کے ساتھ کہا وا مثناہ، ولا مثنیٰ الیوم للخیل (او للمسلمین) یعنی ہائے مثنیٰ، آج مثنیٰ شہ سواروں کے قائد نہیں رہے،

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۱۰۱۔

یہ سنکر حضرت سعد نے ان کو طمانچہ مارا اور کہا کہ مثنیٰ کہاں ہیں؟ سلمیٰ بنت حفصہ نے اس بات پر کہا کہ اغیرةً وجبناً یعنی کیا یہ غیرت مندی اور بزدلی کا مظاہرہ ہے؟ سعد اس بات پر ان سے خفا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر تم مجھکو معذور نہیں سمجھو گی تو کوئی شخص معذور نہیں سمجھے گا، حالانکہ تم میری مجبوری کو دیکھ رہی ہو، اسکے بعد ابو محجن ثقفی کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں انھوں نے سلمیٰ بنت حفصہ سے کہا کہ تم قید خانہ کا دروازہ کھول دو، میں جنگ کروں گا اور واپس آکر بیڑیاں پہن لونگا، سلمیٰ نے ان کو رہا کر دیا اور فتح قادسیہ کے بعد ابو محجن حسب وعدہ قید خانہ میں چلے گئے[1]۔

بیوی نے میاں سے جب اپنی کارگزاری بیان کی تو ان کی ان بن صلح و مصالحت سے بدل گئی۔

انتقال ۱۴ھ میں رمضان ۱۳ھ میں ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان مقام قس الناطف میں شدید جنگ ہوئی جو یوم الجسر کے نام سے بھی مشہور ہے، اس میں بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، ان ہی میں مثنیٰ بن حارثہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے زخمی ہو گئے، ان کے زرہ کی کڑیاں جسم میں پیوست ہو گئیں، بعد میں یہی زخم عود کر آیا اور ۱۴ھ میں ان کی وفات ہو گئی، انتقال کے وقت انھوں نے بشیر بن خصاصہ کو اپنا جانشین مقرر کیا[2]

اس وقت مثنیٰ بن حارثہ اور سعد بن ابی وقاص اپنے اپنے لشکر کے ساتھ الگ الگ مقامات پر مقیم تھے اور دونوں ایک دوسرے کے پاس آنے کے منتظر تھے، مثنیٰ بن حارثہ کی کمان میں ربیعہ آٹھ ہزار، بکر بن وائل کے چھ ہزار،

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۱۰ [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۲۲۲ (یورپ)

ربیعہ کے مختلف قبائل کے دو ہزار، خالدؓ بن ولید کی فوج کے چار ہزار، یوم الجسر کے باقی ماندہ چار ہزار، بجیلہ کے دو ہزار، قضاعہ اور طے کے دو ہزار مجاہدین تھے، صفر ۱۴ھ میں جنگ نخیلہ (یوم مہران) ہوئی جس میں مثنیٰ بن حارثہ کے ہاتھوں کسرائی لشکر کا سپہ سالار مہران مارا گیا اور مسلمان فتح یاب ہوئے، اس کے بعد مثنیٰ بن حارثہ چند مہمات کو سر کرکے اپنی قوم بکر بن وائل کے ساتھ مقام سیراف چلے گئے اور وہیں زخم کے عود کرنے سے فوت ہوئے۔[1]

بلاذری کا بیان ہے کہ جس وقت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عمرؓ کی طرف سے لشکر لے کر مقام عذیب میں پہونچے مثنیٰ بن حارثہ بیمار تھے، انھوں نے سعد بن ابی وقاص کو مشورہ دیا کہ قادسیہ اور عذیب کے درمیان ایرانیوں سے مقابلہ کریں، اس کے بعد ان کے مرض میں شدت پیدا ہو گئی اور ان کو بنو شیبان میں پہونچا دیا گیا، جہاں ان کا انتقال ہو گیا۔[2]

خلیفہ بن خیاط اور دوسرے اہل علم نے ۱۴ھ میں ان کی وفات کی تصریح کی ہے۔[3]

ایرانیوں سے چھیڑ چھاڑ اور اس کا پس منظر

اسلام سے پہلے اور اسلام سے کچھ دنوں بعد تک مثنیٰ بن حارثہ شیبانی، سوید بن قطبہ عجلی اور دوسرے سرداران قبائل اپنی اپنی قوم کو لے کر ملک فارس اور سوادِ عراق میں غارت گری اور لوٹ مار کیا کرتے تھے اور بعد میں یہی چھیڑ چھاڑ اسلامی فتوحات کا ظاہری سبب ثابت ہوئی، اس کا پس منظر معلوم کرنے کے لیے مختصر طور سے یہ جاننا ضروری ہے کہ سوادِ عراق میں قدیم زمانہ سے بہت سے عرب قبائل رہتے تھے، شاہان فارس نے ان پر اپنی گرفت مضبوط

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۳۲۰ [2] فتوح البلدان ص ۲۵۵ [3] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۱۶۔

کرنے اور ان کی یلغار سے محفوظ رہنے کے لیے ان ہی میں سے حیرہ میں آل منذر کو اور عمان میں آل جلندی کو اپنی طرف سے سلطنت کا پروانہ دیا تھا، اسی کے ساتھ جگہ جگہ اسلحہ خانے، فوج اور مرزبان (مقامی حاکم) کا انتظام کر رکھا تھا، خاص طور سے عراق کے مرکزی مقام ابلہ میں کثیر تعداد میں اسلحہ اور فوج جمع کیا تھا تاکہ ان عربوں کا مقابلہ کریں، اس کے باوجود یہ آزاد فطرت اور آزاد معیشت قبائل انکے قابو سے باہر رہتے تھے، بلکہ بعض اوقات عراق پر قبضہ کر لیتے تھے، اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ فارس کے بادشاہ اور حکام عربوں کی یورش اور یلغار سے خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں یہ لوگ ہمارے ملک پر قبضہ نہ کریں، اسی کے ساتھ اپنی شان و شوکت اور طاقت پر غرہ کر کے ان کو نہایت ذلیل و خوار بھی سمجھتے تھے۔

سابور ذو الاکتاف بچپن میں ساسانی تخت پر بیٹھا تو بحرین، کاظمہ (کویت)، ابرشہر اردشیر خرہ کے اعراب نے کثیر تعداد میں جمع ہو کر یورش برپا کی اور قبیلہ ایاد بن نزار نے اپنے سردار حارث بن اغر ایادی کو لے کر پورے عراق پر قبضہ کر لیا، جب سابور سن شعور کو پہونچا تو بحرین جا کر بنو تمیم کے بہت سے آدمیوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے بھاگ کر جان بچا لے گئے، اس وقت بنو تمیم کا سردار عمرو بن تمیم بن مُر ایک معمر شخص تھا، اس نے سابور کو سمجھا کر اسے روکنا چاہا، اس پر سابور نے کہا کہ ہم اپنے خزانہ کے کاغذات اور خبروں میں پاتے ہیں کہ یہ اعراب ہم پر حکومت کریں گے اور ہمارے ملک ایران کا غلبہ ہو جائے گا۔[1] جنگ قادسیہ سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں گئے تو اس نے اثنائے گفتگو میں کہا کہ ہمارے نزدیک

[1] الاخبار الطوال ص ۴۸ و ص ۴۹ و مروج الذہب ج ۱ ص ۲۵۶۔

روئے زمین پر تم لوگوں سے زیادہ ذلیل کوئی قوم نہیں ہے، تم میں قلت اور ذلت ہے، زمین قحط زدہ ہے، روزی تنگ ہے، کس چیز نے تم لوگوں کو ہماری زمین پر قدم رکھنے کی ہمت دلائی ہے، اگر تمہارا یہ اقدام قحط کی وجہ سے ہے تو ہم تم پر مہربانی کرکے خورد و نوش کا انتظام کر دیتے ہیں، اپنے ملک میں واپس چلے جاؤ۔[1]

ایرانی بادشاہ اور امراء، عربوں کی یورش و یلغار سے عاجز رہتے تھے حتیٰ کہ انکے ساتھ امن و امان اور صلح و مصالحت کا معاہدہ کرتے تھے جیسا کہ مثنیٰ بن حارثہ نے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تھا۔

حیرہ میں آل منذر قدیم زمانہ سے حکومت کرتے تھے، یہ یمن کے عرب تھے جو سیل ارم کے بعد عراق چلے آئے تھے، ملوک حیرہ پر بنی یربوع اس کثرت سے حملہ آور ہوتے تھے کہ ان کو بنی یربوع سے اس شرط پر صلح کرنی پڑی کہ وہ ان کو رِدافت کا عہدہ دیں گے تب وہ عراق پر غارت گری سے باز رہیں گے، یعنی ان کا سردار حیرہ کے بادشاہ کے دائیں جانب بیٹھے گا، اور اس کی عدم موجودگی میں اسکا جانشین ہوگا۔[2] اس عرب سلطنت پر شاہان فارس نے قبضہ کر رکھا تھا، اس خاندان میں نعمان بن ماء السماء گزرا ہے جس کو نوشیرواں بن قباد نے اپنی طرف سے حکمران مقرر کیا، اس کے بعد پانچویں بادشاہ نعمان بن منذر کے زمانہ میں آل منذر کی جگہ کسریٰ پرویز نے ایاس بن قبیصہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا، آل منذر اور عرب قبائل میں بھی جنگ و جدال کی نوبت آیا کرتی تھی، ایک مرتبہ بکر بن وائل اور منذر بن ماء السماء میں جنگ ہوئی جس میں بکر بن وائل کو شکست ہوئی، بنو ایاد بن نزار،

[1] الاخبار الطوال ص ۱۲۱ [2] المعارف ص ۲۸۴۔

بنو تمیم اور بنو یربوع وغیرہ ملوک حیرہ سے ٹکر لیا کرتے تھے، عربوں اور ملوک حیرہ کے درمیان معرکہ آرائی کے ساتھ سواد عراق اور بلاد فارس پر غارت گری کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، اسی درمیان میں جنگ ذی قار کا واقعہ پیش آیا جس نے بنو شیبان میں ایرانی شہنشاہیت سے نبرد آزما ہونے کا نیا حوصلہ پیدا کر دیا، شاہ حیرہ نعمان بن منذر نے کسی بات پر خفا ہو کر کسریٰ پرویز کے عربی ترجمان عدی بن زید عبادی کو قتل کر دیا اور پرویز نے اس کے لڑکے زید بن عدی کو باپ کی جگہ دی، ایک مرتبہ اس نے پرویز کے سامنے آل منذر کی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کی، پرویز نے اسی کے ذریعہ نعمان بن منذر کو پیغام بھیجا کہ تم اپنی بہن کو میرے پاس بھیج دو، نعمان بن منذر نے زید بن عدی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ عجمیوں سے رشتۂ مناکحت میں عربوں کی کس قدر ذلت و رسوائی ہے، کیا کسریٰ کے لئے سواد عراق کی مہا (نیل گائیں، عرب عورتوں کے حسن و جمال کو نیل گائے سے تشبیہ دیتے ہیں) کافی نہیں ہیں جو عرب عورتوں کی خواہش کر رہا ہے، یہ بات زید بن عدی نے پرویز سے غلط انداز میں بیان کی جس سے وہ سخت غضبناک ہوگیا، اس کی خبر پاکر نعمان بن منذر نے راہ فرار اختیار کی، پھر پرویز کے پاس معذرت کے لیے حاضر ہوگیا، پرویز نے کچھ دنوں اس کو مدائن کے تہ خانے میں قید رکھا، پھر ہاتھیوں سے روندوا کر مار ڈالا۔

نعمان بن منذر نے پرویز کے پاس جاتے ہوئے ہانی بن مسعود شیبانی کے پاس اپنے اہل و عیال اور اسلحہ وغیرہ کو ودیعت رکھ دیا تھا، پرویز نے ہانی بن مسعود سے اس کے متروکات طلب کیے مگر اس نے دینے سے صاف انکار کر دیا۔[1]

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۱۰۰۔

اس کے بعد پرویز نے بنو شیبان سے جنگ کے لیے فوج روانہ کی، ادھر بنو شیبان بھی مقابلہ کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے اور کوفہ اور واسط کے درمیان مقام ذی قار میں سخت جنگ ہوئی، جس میں کسریٰ کی فوج کو شکست فاش اور بنو شیبان کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی، یہ جنگ بعثت نبوی یا غزوۂ بدر کے بعد ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عجم کی شکست اور عرب کی فتح کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

یوم ذی قار اول یوم انتصفت	جنگ ذی قار پہلی جنگ ہے جس میں
العرب من العجم وبی	عربوں نے عجمیوں پر فتح پائی اور میری
نُصِرُوا۔	وجہ سے انکی مدد کی گئی۔

اس فیصلہ کن جنگ کی شدت کا اندازہ ابو عبیدہ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ عربوں میں جتنے ایام وحروب ہوئے ہیں ان میں تین جنگیں سب سے بڑی ہیں یوم کلاب ربیعہ، یوم شعب جبلہ اور یوم ذی قار[1]

عربوں اور ایرانیوں کے درمیان معرکہ آرائیوں کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے، یہاں موقع کی مناسبت سے مختصر طور سے بیان کر دی گئی ہیں۔

اس دور کے کچھ واقعات وحالات دینوری کا بیان ہے کہ بوران بنت کسریٰ کے تخت نشین ہونے کے بعد ہر طرف یہ بات مشہور ہو گئی کہ ملک فارس میں اب کوئی بادشاہ نہیں رہ گیا اور ارباب سلطنت نے ایک عورت کی پناہ لی ہے، اس وقت بکر بن وائل کے مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید بن قطبہ عجلی اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ فارس کے دیہاتوں میں غارت گری کر کے جو کچھ پاتے اپنے قبضہ میں کر لیتے اور جب

[1] العمدہ ج ۲ ص ۱۹۳۔

ان کی تلاش ہوتی تو صحرا کی طرف نکل جاتے اور کوئی ان پر قابو نہیں پاتا تھا، مثنیٰ بن حارثہ حیرہ (کوفہ کے قریب) سے اور سوید بن قطبہ ابلہ (بصرہ کے قریب) سے حملہ کرتے تھے، یہ سلسلہ خلافت صدیقی تک جاری رہا[1] اور بلاذری نے مختصر طور سے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر سوادِ عراق پر حملہ آور ہوتے تھے[2] دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اس کی تصریح کی ہے،

مثنیٰ بن حارثہ اس دور کے بعض واقعات وتجربات بعد میں بیان کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مجاہدین سے گفتگو کر رہے تھے، اسی سلسلہ میں بتایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں عرب وعجم سے جنگ کی ہے، واللہ زمانہ جاہلیت میں ایک سو عجم میرے اوپر ایک ہزار عرب سے بھاری تھے اور آج ایک سو عرب ایک ہزار عجم سے بھاری ہیں، اللہ تعالیٰ نے عجمیوں کا رعب داب ختم کر دیا ہے، انکی تدبیریں کمزور کر دی ہیں، ان کی یہ بھیڑ، یہ مضبوط کمانیں، یہ لمبے نیزے جن کو تم دیکھ رہے ہو، ان سے مرعوب نہ ہونا، ان کے یہ سامان جنگ ختم ہو جائیں گے اور جانوروں کی طرح جس طرف رخ کریں گے بھاگتے جائیں گے[3]

بصرہ کے قریب اہل فارس کا ایک شہر مثنیٰ بن حارثہ کی مسلسل غارت گری سے تباہ وبرباد ہو گیا تھا اس وجہ سے اس کو خریبہ کہنے لگے تھے، بہت بعد تک اسی نام سے یہ جگہ مشہور رہی، اسی کے قریب جنگ جمل ہوئی تھی، مثنیٰ بن حارثہ کے بیان اور خریبہ کے نشان سے ان کی یلغار ویورش کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(باقی)

[1] الاخبار الطوال ص ۱۱۱ [2] فتوح البلدان ص ۲۴۲ [3] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۱۹۵۔

کپڑدوارا جے پور میں فارسی فرامین

از حکیم سید محمد احمد ٹونکی

اہم دستاویزات کی شکل میں فارسی زبان میں جو شاہی فرامین اور ریکارڈ مہاراجگان کے یہاں پشت ہا پشت اور نسل در نسل سے محفوظ چلا آرہا تھا وہ "جے پور" میں دو مقامات پر تھا ان میں ایک تو آمیر کے ایک محافظ خانے میں موجود تھا اور دوسرا ریکارڈ مہاراجہ صاحب کے کپڑدوارے یعنی توشک خانے شہر جے پور میں محفوظ تھا، موجودہ مہاراجہ کے والد" مہاراجہ مان سنگھ دوئم" کو ریکارڈ دیکھنے اور ترتیب دینے کا خیال ہوا تاکہ اسے قابل استفادہ بنایا جائے چنانچہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۹ء کے درمیانی عرصہ میں یہ کام مشہور و معروف مورخ "سر جادو ناتھ سرکار" کے سپرد ہوا، موصوف اس اہم کام کے لیے "جے پور" آئے، مناسب مددگار مہیا کیے گئے اور "آمیر" والے مکان کا ریکارڈ نکلوایا گیا جس میں بہت سارا ریکارڈ شکستہ، بوسیدہ اور آب رسیدہ ہو چکا تھا غرضکہ صفائی اور درستی کرنے کے بعد دفتر "دیوان حضوری" واقع سٹی پیلیس[1] "جے پور" میں اسے رکھا گیا

[1] سٹی پیلیس جے پور شہر میں ایک بہت خوبصورت مقام کا نام ہے جس میں مہاراجہ کے محلات اور دفاتر واقع ہیں، اس میں مہاراجہ صاحب کی سکونت بھی ہے اور پوتھی خانہ، سوائی مان سنگھ میوزیم اور دوسرے دفاتر بھی واقع ہیں اور اسکے قریب سوائی جے سنگھ کا بنایا ہوا جنتر منتر ہے یہ عمارت ہوا محل کے عقب میں آتش مارکیٹ جلیبی چوک کے درمیان واقع ہے۔

اس ریکارڈ میں شاہی فرامین، نشان، طومار، اخبارات معلے اور وکیل رپورٹس تھیں، بادشاہ سے متعلق خبروں کو اخبارات معلے کہا جاتا ہے، ان کی ایک کاپی ایک دوسرے سے لمبائی میں جڑی ہوئی ہوتی تھیں جس سے ایک بہت لمبی لڑی بن جاتی تھی جسے ٹین کے نلوے میں لپیٹ کر رکھا جاتا تھا اور ان میں جڑے ہوئے پرچوں کو "طومار" کہا جاتا تھا چونکہ آمیر کا وکیل شاہی دربار میں مستقل طور سے حاضر رہا کرتا تھا اور اس کے ذمے یہ خدمت بھی ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ، دربار، قلعہ اور شاہی محل سے متعلق ہر بات لکھتا رہے ذرا ذرا سی بات نوٹ کر کے فوراً بھیجتا رہے، مذکورہ شاہی اخبارات معلے سے متعلق رپورٹ بہت باقاعدہ اور بہت مکمل ہوا کرتی تھی اور آج بھی بہت اہم مانی جاتی ہے، ملک کی آزادی اور راجستھان بننے کے بعد "مہاراجہ مان سنگھ دوئم" مہاراج پرمکھ بنائے گئے تھے اور ان کا یہ آمیر والا ریکارڈ ان ہی کی بلڈنگ یعنی دفتر دیوان حضوری سٹی پیلیس جے پور میں رکھا ہوا تھا اس لیے مہاراج صاحب نے اس ریکارڈ کو راجستھان گورنمنٹ کے سپرد کر دیا (غالباً ان کا یہ خیال تھا کہ وہ تاحیات "راج پرمکھ" رہیں گے اور یہ ریکارڈ بھی ان ہی کی بلڈنگ میں ہمیشہ ان کی زیر نگرانی رہے گا)، لیکن کچھ عرصہ بعد غالباً ۱۹۶۰ء کے بعد جب مسٹر سکھاڈیہ راجستھان کے چیف منسٹر تھے، تو دفتر دیوان حضوری واقع سٹی پیلیس جے پور والے ریکارڈ کو "آرکائیوز" بیکانیر منتقل کر دیا گیا اور وہاں سے اس جے پور والے ریکارڈ کی فہرستیں اور کیٹلاگ بھی شایع ہوئے ہیں اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ "مہاراجہ مان سنگھ دوئم" کے حکم سے جو کام "سر جادو ناتھ سرکار" نے کیا تھا اس کی پہلی جلد "ہسٹری آف جے پور اسٹیٹ"

کے نام سے ۱۹۸۳ء میں باہتمام "مہاراجہ مان سنگھ دوم میوزیم جے پور اور اورینٹ لانگ
مین نئی دہلی (ORIENT LONGMEN NEW DELHI) سے شایع
ہو چکی ہے۔

دوسرا ریکارڈ جو مہاراجہ صاحب کے نجی ذخیرے کی صورت میں کپڑ دوارا
یا توشک خانہ میں محفوظ تھا اس ریکارڈ میں بھی شاہی فرامین، نشان، خریطے،
سندات، پروانے، شقے، رقعے، رسیدات، قبض الوصول، عرضداشت، عرضیاں، تمسک
نوشت، واجب العرض وغیرہ وغیرہ ہیں، ان سب کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے
جس میں تقریباً ایک ہزار صرف فارسی زبان میں ہیں اور باقی تحریرات اردو، ہندی،
مرہٹی، گجراتی، بنگال اور جے پور کی مقامی زبان ڈھونڈھاری اور انگریزی وغیرہ میں ہیں۔

انگریزی دور کی تحریریں ابتدا میں یعنی اواخر ۱۸۰۰ء عیسوی سے قریب
۱۸۶۵ء تک فارسی زبان اور فارسی رسم الخط میں ہیں یعنی اس دور میں انگریزوں
کی طرف سے جتنے بھی "خریطے" آئے، اور جو معاملات طے ہوئے ان سے متعلق سب
تحریریں فارسی زبان میں ہیں، البتہ ۱۸۶۵ء سے تقریباً ۱۹۰۰ء تک کی کچھ تحریریں فارسی زبان میں اور
کچھ اردو زبان اور اردو رسم الخط میں، بعد کی تحریریں انگریزی زبان میں بھی ہیں اور
اردو زبان میں بھی، ابتدا میں جب انگریزی تحریروں کا رواج شروع ہوا تو اس کے
ساتھ اردو ترجمہ اردو رسم الخط میں بھی بھیجا گیا لیکن انگریزی کے پوری طرح رواج
پا جانے کے بعد صرف انگریزی میں تحریریں آنے لگیں۔

اس ریکارڈ میں سلطنت مغلیہ کے دور کی تحریروں میں بابر اور ہمایوں کے
دور کی کوئی تحریر موجود نہیں ہے، اسی طرح "اکبر" کے دور کی بھی کوئی تحریر یا فرمان

وغیرہ موجود نہیں ہے، البتہ اس دور کا ایک قبالہ بیعنامہ حویلی خرید کردہ "راجہ
بکرماجیت ۱۰۱۳ء کا ہے یہ فارسی رسم الخط اور فارسی زبان میں ہے اور اس پر
"راجہ ٹوڈرمل" کے دستخط بہ حیثیت گواہ فارسی رسم الخط میں ثبت ہیں اور مغلیہ دور
کے بادشاہوں میں سے آخری تحریر "بہادر شاہ ظفر" کا فرمان ہے جو سنہ ۲ جلوس
میں لکھا گیا اور مہر میں ۱۲۵۳ھ درج ہے۔ اس ریکارڈ میں جہانگیر، شاہ جہاں،
اورنگ زیب، فرخ سیر، محمد شاہ وغیرہ کے فرامین بھی ہیں اور دو تحریریں "نشان"
ملکہ نور جہاں بیگم جہانگیر کی بیوی کے بھی ہیں جس میں ایک نشان میں "شاہ جہاں"
کی مخالفت کی گئی ہے اس کے علاوہ انگریزوں کے زمانے کی تحریریں بھی ہیں۔
اس طرح مغلیہ سلطنت اور انگریزی دور کے درمیانی عرصہ میں مرہٹوں کا عروج
رہا ان کے زمانے کی اہم تحریریں بھی درج ہیں۔

جب مغلیہ سلطنت میں ضعف آیا اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت
کمزور سے کمزور تر ہوتی گئی یہاں تک کہ "محمد شاہ" کے زمانہ تک کافی ضعف آگیا
اس وقت راجپوتانہ کی ریاستوں میں خاص طور سے "جے پور" کی ریاست "سوائی
جے سنگھ" جیسے مضبوط اور طاقتور رئیس کی وجہ سے وسعت اور ترقی پذیر تھی۔
"محمد شاہ" ہی کے زمانہ میں "جے سنگھ" نے "جے پور" نام کا شہر آباد کیا اور ریاست
کی راجدھانی "آمیر" سے منتقل ہو کر جے پور آگئی، جے پور کا نام اولاً سوائی جے نگر
رہا اور بعد میں کثرتِ استعمال سے بجائے "سوائی جے نگر" کے "جے پور" ہوا،
محمد شاہ کی اجازت سے ہی اس شہر کی تعمیر ہوئی، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے
کہ جب شاہی سلطنت میں ضعف آیا تو مرہٹوں اور دوسری قوموں نے اس جگہ

کو زیر کرنا چاہا مگر پھر بھی ان کے اثرات زیادہ ہونے لگے اور مرہٹے "مالوہ" اور "راجپوتانہ" پر بھی قابو پانے لگے لیکن سوائی جے سنگھ کی زندگی تک ان کی مجال نہیں ہوئی کہ وہ جے پور اور راجپوتانہ پر قابو پا سکیں، ۱۷۴۳ء میں جے سنگھ فوت ہوئے تو ان کے بیٹوں "ایشوری سنگھ" اور "مادھو سنگھ" میں گدی نشینی کا تنازعہ پیدا ہوا اور دونوں ہی نے مرہٹوں کے دونوں گروہ "سندھیا" اور "ہلکر" کی مدد لینی چاہی پہلے تو "ایشوری سنگھ" نے سندھیا کی مدد سے دوسرے پر قابو پایا اور سات سال حکمرانی کی اور پھر مادھو سنگھ نے ہلکر کی مدد سے "ایشوری سنگھ" پر فتح حاصل کی، اور ایشوری سنگھ کو خودکشی کرنی پڑی اور "ٹونک" وغیرہ پرگنے اسی مدد کے صلے میں ہلکر کو ملے، اس طرح مرہٹوں کو "جے پور" جیسی مضبوط ریاست میں دخل اندازی کا موقع مل گیا، مادھو سنگھ ایک طاقتور حکمراں ثابت ہوا اس نے اگرچہ مرہٹوں کی مدد سے قابو پایا تھا پھر بھی وہ مرہٹوں کے زیر اثر نہیں تھا، اسے سترہ اٹھارہ سال حکومت کرنے کا موقعہ ملا اس کی زندگی نے زیادہ وفا نہیں کی اور ۱۷۶۸ء میں وہ فوت ہوا ورنہ ایسے آثار نظر آرہے تھے کہ وہ اگر کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو جودھپور کے راٹھوروں سے مل کر وہ مرہٹوں کو "جے پور" سے ہی نہیں بلکہ "راجپوتانہ" سے نکال باہر کرتا۔

مادھو سنگھ کے بعد "پرتھوی سنگھ" راج گدی پر بیٹھا لیکن وہ نابالغ تھا، دس گیارہ سال برائے نام حکمراں رہا اسی وجہ سے ریاست میں مزید ضعف آگیا اور ۱۷۷۸ء میں اس کے فوت ہونے پر "پرتاب سنگھ" ۱۸۰۳ء تک اور اس کے بعد جگت سنگھ ۱۸۰۹ء تک حکمراں رہا، جگت سنگھ پرتاب سنگھ سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوا۔ دراصل پرتاب سنگھ اور جگت سنگھ کا پورا زمانہ ہی مرہٹوں کی شورش اور فتنہ انگیزی کا ہے۔ ریاست جے پور میں نہیں بلکہ پورے راجپوتانہ میں شورش اور افراتفری رہی اس دور میں راجپوتانہ میں کوئی زبردست رئیس موجود نہیں تھا پورے علاقہ میں مرہٹوں کا دور دورہ تھا پھر "نواب میر خاں" بانی ریاست ٹونک مرہٹوں سے جا ملے جس سے ہلکر وغیرہ کو بے پناہ طاقت حاصل ہوگئی اور بالآخر ۱۸۱۸ء میں راجپوتانہ کی سب ہی ریاستیں انگریزوں کے قابو میں آگئیں اور سب ہی رئیسوں نے ان سے مصالحت کرنے میں اپنی عافیت سمجھی یہاں تک کہ سندھیا اور ہلکر کے معاہدے ہوئے اور انگریزوں کی تابعداری اختیار کرنے کے بعد نواب میر خاں بھی معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔

میں نے سطور بالا میں حالات کا کسی حد تک تفصیل سے اس وجہ سے نقشہ کھینچا ہے کہ اس دور کی بہت اہم تحریریں "جے پور" کے کپڑ دوارا ریکارڈ میں موجود ہیں، اور یہ ریکارڈ کئی اعتبار سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ جس طرح موجودہ راجہ صاحب کے والد کی توجہ سے دیوان حضوری والے ریکارڈ پر تاریخی کام ہوا اور "سر جادو ناتھ سرکار" نے اس ریکارڈ پر کام کیا بالکل اسی طرح عربی زبان کے مقولے "الولد سر لابیہ" کہ لڑکا باپ کا بھید ہوتا ہے اور لڑکے میں بھی وہی خوبیاں ہوتی ہیں جو باپ میں ہوتی ہیں اور فارسی زبان کے مقولے "پدر اگر نتواند پسر تمام کند" موجودہ راجہ صاحب بھوانی سنگھ اپنے کپڑ دوارے کا اہم ذخیرہ پبلک کے سامنے لائے اور ریسرچ کے قابل بنانے کے لیے مجھے کام کا موقع دیا، میں نے شروع سے آخر تک فارسی اور اردو کے سب ریکارڈ کو دیکھا ہے اور اسے

پڑھکر پہلے تو ہندی رسم الخط اور دیوناگری میں لکھوایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرایا ہے اس کام کے لیے مہاراجہ صاحب نے اپنے دو بڑے لائق و فائق افسران یعنی ڈاکٹر چندرمنی[1] سنگھ صاحب و ڈاکٹر گوپال[2] نارائن بوہرہ کو مدد دینے کے لیے میرے ساتھ لگا دیا تھا میں جو کچھ پڑھ کر بولتا تھا یہ دونوں اول تو فارسی سے ہندی لپی میں کرتے اور پھر بعد میں اس کا ترجمہ لکھوا دیتا بعد میں وہ انگریزی زبان میں خلاصہ کر دیتے اس طرح حال ہی میں یہ پورا ریکارڈ منظر عام پر آگیا ہے اور انگریزی زبان میں اس کا کیٹلاگ[3] کتابی شکل میں شایع ہو چکا ہے۔ جس میں سب تحریروں کا خلاصہ درج ہے نیز اہم دستاویزات کے فرامین کے فوٹو بھی دیے ہیں، اس ریکارڈ میں مغل سلاطین، احمد شاہ درانی ابدالی ملکہ نورجہاں بیگم جہانگیر بادشاہ، راجہ ساہو، باجی راؤ مرہٹہ، راؤ ہلکر، دولت راؤ سندھیا، نجف علی خاں، نواب افراسیاب، نواب میر خاں اور کئی سرداروں کی تحریریں شامل ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر چندرمنی سنگھ نے بنارس سے ایم۔اے کیا اور دہیں سے پی۔ایچ ڈی کی ڈگری لی پھر امریکہ جاکر میوزیم کی تربیت حاصل کی یہ مہاراجہ مان سنگھ دوم جے پور میں اولاً رجسٹرار کے عہدے پر مامور رہیں بعد میں مہاراجہ بھوانی سنگھ نے ان کو جے گڑھ کا ڈائرکٹر بنایا اور اب جواہر کلا کیندر جے پور میں ڈائرکٹر ہیں، یہ تاریخ وانگریزی زبان کی ماہر اور بڑی علم دوست ہیں، راجپوت خاندان سے تعلق ہے

[2] جناب گوپال نارائن بوہرہ جی اور ان کے بزرگوں کا راج گھرانے سے تعلق رہا، انگریزی، سنسکرت اور تاریخ کے بڑے عالم ہیں۔ اب ریٹائر ہو گئے ہیں

[3] کیٹلاگ آف ہسٹوریکل ڈاکومینٹس ان کپڑ دوارا جے پور (CATALOGUE OF HISTORICAL DOCU-MENTS IN KAPAD DWARA JAIPUR)

پہلے اس مضمون کے عنوان "کپڑ دوارے" کی وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس جگہ راجہ صاحب جے پور کی پوشاک، لباس، قیمتی سامان اور گراں بہا اشیا رکھی جاتی تھیں اسے "کپڑ دوارا" یا کپٹ دوارا" کہا جاتا تھا۔ ہماری سابق ریاست "دارالاسلام ٹونک راجپوتانہ" کے نوابان ذی وقار کے کپڑے و قیمتی اشیا جس مقام پر رکھی جاتی تھیں اسے "توشہ خانہ" یا توشک خانہ" کہا جاتا تھا یہ لفظ بالکل اسکے مترادف ہے

KAPAD-DWARA-wardrobe, afterwards-
a treasure house of the valuables of the rulers-
Jaipur.

اب اس سلسلہ کے بعض دوسرے اصطلاحی الفاظ کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ **فرمان**۔ اس شاہی حکم کو کہتے ہیں جو اپنے فرمانبرداروں کو دیا جائے۔ شاہان مغلیہ بڑے اہتمام سے اسے جاری کرتے عموماً بڑے اور اچھے کاغذ پر خوشخط لکھوایا جاتا اور یہ بادشاہ کی مہر معہ کرسی نامہ[1] بھی ہوتی لیکن اگر کوئی فرمان بلا کرسی نامہ کی مہر کے اور بلا مہر بھی بادشاہ کی طرف سے جاری ہوتا وہ بھی فرمان کی تعریف میں آتا ہے، کسی کو کوئی خطاب یا اعزاز پروانے کے ذریعہ بھی دیا جاتا تھا، لیکن "فرمان"

---

[1] کرسی نامہ۔ بادشاہ کی جس مہر میں پورا شجرہ درج ہوتا وہ کرسی نامہ کی مہر کہلاتی مثلاً "احمد شاہ بادشاہ" کی مہر معہ کرسی نامہ اس طرح ہے۔ سنہ ۱۱۶۱ء۔ مجاہد الدین۔ ابوالنصر احمد شاہ بہادر ابن محمد شاہ بادشاہ غازی ابن جہاں شاہ بادشاہ ابن شاہ عالم ابن عالمگیر بادشاہ ابن شاہجہاں بادشاہ ابن جہانگیر بادشاہ ابن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ابن ہمایوں بادشاہ ابن بابر بادشاہ ابن عمر شیخ ابن سلطان سعید شاہ ابن سلطان محمد شاہ ابن میران شاہ ابن امیر تیمور صاحب قران

کے ذریعے دیا ہوا خطاب زیادہ باعث اعزاز سمجھا جاتا تھا، فرمان کا اطلاق کسی خاص شخص اور خاص کام کے لیے ہوتا ہے کسی عمومی شاہی حکم یا عام وخاص کے لیے اسکا اطلاق نہیں ہوتا اس کے لیے دوسرا لفظ "منشور" ہے فرمان کا لفظ صرف شاہی حکم کے لیے استعمال ہوسکتا ہے اگر بادشاہ کے علاوہ راجہ رئیس۔ نواب یا اعلیٰ حکام کوئی حکم اپنے ماتحتوں کو دیں تو اسے فرمان نہیں کہا جاتا، شاہی دور میں ہر بادشاہ کا حکم خاص فرمان کہلاتا تھا اس طرح فرنگی دور میں صرف شاہ برطانیہ کا حکم فرمان کی تعریف میں آتا ہے گورنر جنرل یا وائسرائے کے حکم کو فرمان نہیں کہا جاسکتا[1]

[1] مثلاً اس ریکارڈ میں اورنگزیب عالمگیر بادشاہ کا ایک فرمان ہے جو راجہ "بشن سنگھ" کے نام اس طرح شروع ہوتا ہے "عمدۃ الاقران۔ خانہ زاد لائق الاحسان۔ مطیع الاسلام۔ بشن سنگھ بنوازش بادشاہی امیدوار بودہ بدانند" اسکا خلاصہ اردو زبان میں اس طرح ہے۔ "راجہ رام سنگھ" جو کہ ہمارا فدوی اور ہمارا نواختہ پرداختہ تھا وہ گذر چکا ہے، اس وجہ سے خانہ زادی کا خیال کرتے ہوئے اوسے (بشن سنگھ) کو منصب دو ہزاری ذات دو ہزار سوار دو اسپہ اور تیس لاکھ دام کی عنایت و مہربانی سے سرفراز کیا ہے اور خلعت فاخرہ۔ راجگی کی گدی علم و نقارہ اور ہاتھی سے ہم نے اسے سربلندی بخشی ہے۔ اوسے چاہیے کہ نعمت کا شکر بجالائے جیسا کہ "راجہ جے سنگھ" نے بادشاہ غفران پناہ خلد آرامگاہ علیین مکان (شاہجہاں بادشاہ) کے زمانہ میں خدمات انجام دی تھیں اور جو خدمات وہ بجالائے گا پیش گاہ خلافت کبریٰ سے صلہ عظیم پائے گا اور راہ ترقی پر گامزن ہوگا۔ یہ فرمان ماہ رجب سال ۱۳ جلوس (۱۶۸۵ء) کا لکھا ہے۔ اس پر جو مہر ہے اس کے اوپر "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" لکھا ہے اور مہر میں پورا کرسی نامہ تیمور صاحب قران تک درج ہے۔ اس فرمان کی پشت پر جملۃ الملک۔ مدار المہام اسد خاں" کی مہر بھی ہے (باقی ص ۲۶۹ پر)

۲۔ **منشور**۔ اگرچہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ لفظ بھی شاہی حکم کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اصطلاحی اعتبار سے "منشور" اس شاہی حکم کیلئے استعمال ہوا ہے جو کسی خاص شخص کے کام یا اعزاز و خطاب کے لیے نہیں بلکہ بادشاہ اپنے کسی خاص حکم کو عوام و خواص سب کے لیے اطلاع و تشہیر کے لیے جاری کرے مثلاً کوئی شخص ٹیکس اپنی قلمرو یا کسی خاص علاقہ میں لگائے یا کوئی ٹیکس معاف کردے یا کوئی خاص قانون ہر خاص و عام کے لیے بنائے یا کسی موجود اور نافذ قانون میں تبدیلی پیدا کرے تو صرف ایسے ہی حکم کے لیے "منشور" جاری ہوتا ہے "منشور" عربی زبان کے مادے نشر سے نکلا ہے نشر کے معنیٰ پھیلانا ہوتے ہیں چونکہ منشور کا مقصد ہی کسی حکم کو پھیلانا اور عام کرنا یا کسی حکم کو جاری کرنا ہوتا ہے جس سے بادشاہ اور سرکار کی پالیسی کا اظہار ہوتا ہے جس طرح آج کل کوئی بھی سرکار اپنے حکم کے اظہار کے لیے پریس نوٹ جاری کرتی ہے یا کسی حکم کو گزٹ میں شایع کرتی ہے تاکہ سب مطلع اور باخبر ہوسکیں منشور کی جمع "مناشیر" ہے۔ منشور اور فرمان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ فرمان صرف بادشاہ کا ہوتا ہے لیکن منشور کسی راجہ رئیس نواب وغیرہ کی طرف سے بھی جاری ہوسکتا ہے۔ منشور یہ بادشاہ

(بقیہ ص ۲۶۹) یہ عجیب بات ہے کہ شاہان مغلیہ راجگان ہند کو "مطیع الاسلام" کہا کرتے اور راجگان امیر جے پور کو خانہ زاد (جنکی نشو و نما شاہی خاندان میں ہوئی ہو) از راہ مہربانی کہا کرتے اور راجہ خود اپنے کو فدوی لکھا کرتے۔ یہ فرمان "راجہ بشن سنگھ" پسر "راجہ رام سنگھ" پسر "راجہ جے سنگھ" عرف مرزا راجہ کے نام ہے۔ یہاں مجھے صرف یہ بات بتانی ہے کہ یہ "فرمان" صحیح طور سے "فرمان" کی تعریف میں آتا ہے کیونکہ اس میں عطائے منصب خلعت فاخرہ۔ راج گدی۔ علم۔ نقارہ اور فیل سے نوازا گیا۔ یہ فرمان کیٹلاگ آف ہسٹوریکل ڈاکومنٹس ان کپڑ دوارا جے پور میں نمبر ۱۳۱ پر درج ہے۔

کی مہر کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

۳۔ **خریطہ**۔ کے لفظی معنی تھیلہ۔تھیلی (ڈاک کی تھیلی) کے ہیں لیکن مغلیہ دور اور فرنگی دور میں اس خط کو خریطہ کہتے تھے جو ایک حکمراں اور رئیس راجہ نواب کو لکھا کرتے تھے یعنی ایک راجہ دوسرے راجہ یا نواب کو جو تحریر بھیجتا ہے وہ خریطہ کہلاتی ہے ان کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص اپنے ہم رتبہ دوسرے شخص کو تحریر بھیجے. وہ خریطہ نہیں کہلائے گی۔ انگریزی دور میں وائسرائے ہند۔ گورنر جنرل ریزیڈینٹ پولیٹکل ایجنٹ اس اعتبار سے ہم رتبہ تھے اور سب کی ایک دوسرے کو بھیجی گئی تحریر "خریطہ" کہلاتی تھی لیکن اگر کوئی راجہ۔ نواب اپنی ذاتی خواہش کے لیے کوئی تحریر شاہ برطانیہ کو بھیجتا تھا تو وہ "عرضی" کہلاتی تھی اور شاہ برطانیہ کوئی تحریر راجہ رئیس وغیرہ کو بھیجتے تھے تو وہ "فرمان" کی تعریف میں آتی تھی، فرنگی دور میں خریطہ بڑے اہتمام سے بھیجا جاتا تھا جس کا خاص کاغذ ستھری ٹکلی دار ہوتا تھا، ہر رئیس یا راجہ کے جو مخصوص خطاب یا القاب سرکاری طور سے مقرر ہوتے تھے وہ پورے کے پورے طور پہ لفافہ پہ درج ہوتے تھے بھیجنے والے کی مہر بھی عام طور سے لفافہ پہ ہی چسپاں ہوتی مہر میں نام عہدہ اور سن کی پوری تفصیل ہوا کرتی تھی، تاریخ کتابت بھی عام طور سے لفافہ پہ ہی درج ہوتی۔ جس ذریعہ سے بھیجا گیا ہے مثلاً مخصوص شخص یا ہرکارہ غرضکہ جس شخص کے ذریعے وہ خریطہ بھیجا گیا ہے اس کا نام بھی درج ہوتا اور مکتوب الیہ کے پاس جب پہنچتا اور جہاں اور جس مقام پہ پہنچا یعنی مقام وصولی لفافہ معہ تاریخ وصول بھی لفافہ پہ درج ہوتی عام طور سے لفافہ عرض میں چھوٹے سائز کا ہوتا۔

خریطے کے لفافہ کو بند کر کے ایک کپڑے کی تھیلی میں رکھا جاتا پھر اسے دوسری تھیلی میں رکھا جاتا پھر اس کے بعد اوپر ایک جالی کی تھیلی ہوتی اس کے اوپر جامدانی کے کپڑے کی خوبصورت تھیلی میں اسے رکھ کر اور بند کر کے خوبصورت اور بڑی مہر سُرخ چپڑی کی رکھی ہوتی تھی جس میں فارسی رسم الخط میں بہت خوشخط بھیجنے والے کا پورا نام معہ القاب و خطاب و عہدہ اور سن درج ہوتا اور حفاظت کی خاطر وہ چپڑی کی مہر ایک ڈبیہ میں رکھی ہوتی جسکی خوبصورت ڈوری کا ایک سرا مہر سے منسلک ہوتا اور دوسرا سرا خریطہ والی تھیلی سے منسلک ہوتا غرضکہ اس اہتمام سے خریطہ بھیجا جاتا۔ عام طور سے خریطہ کے اندر نہ تو بھیجنے والے کا پورا نام اور پتہ ہوتا اور نہ مکتوب الیہ کا نام پتہ اور مقام درج ہوتا اس طرح بھیجنے والے کے دستخط بھی اصل تحریر میں کبھی ہوتے اور کبھی نہیں چونکہ سب تفصیل لفافہ پہ درج ہوتی اسلیے جس خریطہ کا لفافہ گم ہو جاتا یا شکستہ ہو کر نام مٹ جاتا تو پھر نہیں معلوم ہوتا کہ وہ خریطہ کس نے بھیجا ہے اور کس کو بھیجا ہے[1]

فرنگی دور میں رئیسوں اور ریاستوں کے بڑے اہم اہم معاملات خریطوں کے ذریعہ ہی طے ہوتے، تمام معاہدات اسی ذریعہ سے پایۂ تکمیل کو پہونچے، انگریزوں کے آخر دور میں جبکہ رئیسوں اور ریاستوں کے سبھی معاملات انگریز کے ہاتھ میں مکمل طور سے آچکے تھے، راجہ رئیس جو دوسرے راجہ رئیسوں کو خریطہ بھیجے

---

[1] ایک خریطے کے لفافہ پر "جے پور" کے راجہ کا نام معہ القاب اس طرح درج ہے، "بمطالعہ ساطعہ سامی مقام صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سرآمد راجہائے ہندوستان مہاراجہ سوائی پرتاپ سنگھ بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ فائز باد۔"

وہ صرف ایک ضابطہ کی تحریر بن کر رہ گئی تھی جس کے الفاظ بھگے بندھے ہوتے عام طور سے یہ خرائط صرف شادی یا کسی کی موت کے سلسلہ میں بس خوشی غمی کی حد تک محدود رہ گئے تھے مطلب یہ ہے کہ رؤسا، نوابان و راجگان کا آپس میں کسی طرح کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا تھا اور سب کاموں کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں آگئی تھی۔

۴۔ نشان[1]۔ وہ خط ہے جو شہزادہ، شہزادی، ملکہ اور شاہی خاندان کے

---

[1] نشان۔ جے پور ریکارڈ میں دو نشان ملکہ نور جہاں بیگم جہانگیر کے موجود ہیں یہ "راجہ جے سنگھ" عرف مرزا راجہ کے نام ہیں اور فارسی میں ایک نشان میں ملکہ نور جہاں کی مہر اس طرح ہے۔

ز نور مہر جہانگیر بادشاہ جہاں بان
سنہ ۱۰۳۳
نگین نور جہان بادشاہ گشت فروزان
۱۹ سنہ جلوس

اس نشان میں اس نے لکھا ہے کہ ہم نے اس کو پانچ سال کی عمر سے تربیت دے کر راجگی تک سر بلند کیا ہے اور چار ہزاری منصب سے ممتاز کیا ہے (پرگنہ) چاٹسو اسے جاگیر میں دیا ہے لیکن پھر بھی اس کی عرضیاں ہمارے دربار میں نہیں پہنچتی ہیں اور وہ اپنے حالات ہم سے عرض نہیں کرتا ہے اور ہم سے کسی چیز کی خواہش نہیں کرتا ہے، یہ تعجب کی بات ہے اسے چاہیے ہمیشہ اپنے حالات لکھتا رہے اور ہماری عنایات خود پر درجہ کمال تک پہچانے اور تمام مانگی ہوئی اور خواہش کی ہوئی چیزیں منظور سمجھے اور شاہی خدمات میں مشغول رہے۔ دوسرا نشان اس وقت کا ہے جب "شاہزادہ شاہجہاں" پسر جہانگیر (ہونے والے بادشاہ سے) نور جہاں مخالف ہوگئی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ جہانگیر کے بعد "شاہ جہاں" بادشاہ بنے اس نشان میں جو کچھ لکھا ہے اسکا اردو میں خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ وہ خانہ زاد با اخلاص ہماری تربیت کردہ ہے اسے چاہیے کہ اپنے قدموں کو "شاہجہاں" کے کہنے سے لغزش نہ دے اور اپنے وطن اور اپنے قلعہ کی (بقیہ ص ۲۷۳ پر)

کسی فرد کی طرف سے نوشتہ ہو اور خاص بادشاہ کی طرف سے نہ ہو۔

NISHAN:- Order Issued by a member of Royal Family-

۵۔ پروانہ۔ اس حکم یا سند کو کہتے ہیں جو کسی حاکم اور حکمراں کی طرف سے حکم تقرری، خوشنودی، عطائے جائداد وغیرہ کے بارے میں ہو اور جس میں مہر بھی

(بقیہ ص ۲۷۲) حفاظت میں انتہائی کوشش کرے اس کے باپ دادا کی ناموری اسی میں ہے وہ اس کا نتیجہ بھی پائے گا چونکہ اس کی بہادری اور تجربہ کاری ہم پر ظاہر ہے اس لیے انتہائی مہربانی اور خانہ زاد نوازی سے حکم ہوتا ہے من کل الوجوہ اپنے دل کو مطمئن رکھے اور قریب ایک ہزار سوار مردانہ تجربہ کار کی جمعیت کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھے اور اگر کسی وقت شاہجہاں اس کے وطن پر لشکر بھیجے یا کسی بھی طریقہ سے اسے فریب میں مبتلا کرے کسی بھی طرح اس کے فریب میں نہ آئے اور ہم نے اس کے اضافہ کی تجویز کی ہے، انشاء اللہ بہت جلد اضافہ منصب سے سرفرازی پائے گا اور ہماری توجہ خود پر روز افزوں جانے۔

جے پور ریکارڈ میں ایک قول نامہ (عہدنامہ) شامل ہے جو سکھ سرداروں کیطرف سے مہاراجہ پرتاب سنگھ (جے پور) کے حق میں لکھا گیا ہے۔ اس میں اوپر ایک تلوار بنی ہوئی ہے اور ۵ ربیع الثانی ۲۸ سنہ (۲۵ جنوری ۱۷۸۷ء) کا لکھا ہوا ہے اور دریائے جمنا کے کنارہ پر لکھا گیا ہے اس میں کئی سرداروں کی مہریں ثبت ہیں۔ اکال سہائے اور راجہ دیوان سنگھ وغیرہ۔ اس میں درج ہے کہ سری خالصہ جی اور مہاراج دہراج سوائی پرتاب سنگھ بہادر کے درمیان اس قدر عہد و مواثیق عمل میں آئے ہیں کہ سربت خالصہ جی بہ نظم امورات شامل حال مہاراجہ رہیں گے اور دونوں کے دوست دشمن واحد ہوں گے۔ یعنی ایک (بقیہ ص ۲۷۴ پر)

ہوتی ہے پروانہ بادشاہ۔ رئیس۔ راجہ۔ نواب کا بھی ہوتا ہے اور اعلیٰ افسران اور عہدہ داران کا بھی، لیکن فرمان صرف بادشاہ کے لیے اور خریطہ حکمرانوں کے لیے مخصوص ہے، پروانہ کے ذریعہ عطائے عہدہ ہوتا ہے اور فرمان کے ذریعہ بھی، لیکن فرمان کا درجہ بہت اونچا اور اہم ہے۔

۶۔ **حسب الحکم**۔ وہ تحریر جو وزیر یا اختیار دیے ہوئے اعلیٰ افسر کی طرف سے

(بقیہ ص ۲۷۳) کے دشمن دوسرے کے بھی دشمن ہوں گے اور ایک کے دوست دوسرے فریق کے بھی دوست ہوں گے اور جو جدید فتوحات حاصل ہوں گی اور علاقہ بھی فتح ہوگا وہ فوج خرچ نکالنے کے بعد مشورہ سے دونوں میں تقسیم ہوگا اور جو بھی مہاراجہ صاحب کی مرضی ہوگی سربت خالصہ جی بھی وہی کریں گے اور خالصہ جی کی واپسی جب ہوگی جب سب کام احسن طریقہ سے انجام پذیر ہوں گے اور جب تک خالصہ جی "بہادر گڑھ" میں خیمہ زن رہیں گے تب تک مہاراجہ صاحب کی فوج شامل حال سربت خالصہ جی رہے گی اور اس بات کے گواہ گرو جی ہیں اور سربت صاحب ہیں۔

یہ قولنامہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس دور میں سردار صاحبان نے بھی "مہاراجہ پرتاب سنگھ جی" سے مل کر راجپوتانہ کے علاقوں پر قابض ہونے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ میرے خیال میں یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ بعد کی کسی تحریر میں سرداروں کا کچھ ذکر نہیں ملتا۔ اور نہ راجپوتانہ میں ان کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ کیٹلاگ مذکور میں اس قولنامہ کا نمبر ۲۹ ہے۔

اسی طرح جے پور ریکارڈ میں "نواب میرخاں" کے بھی کئی قولنامے شامل ہیں۔ نواب میرخاں کا ایک قولنامہ ۱۴ شعبان ۱۲۲۳ھ (۵ اکتوبر ۱۸۰۸ء) کا لکھا ہوا ہے جو مہاراجہ جگت سنگھ جے پور کے حق میں لکھا گیا ہے۔ اس میں بھی آپس میں دوستی کا قول و قرار ہے اور تربک راؤ پنڈت اور میر عبداللہ جو مہاراجہ امید سنگھ کے معتمد تھے انہی کی معرفت یہ دوستی کا معاہدہ (بقیہ ص ۲۷۵ پر)

جاری کردہ ہو اور جس سے بادشاہ متفق ہو۔ شاہی دور میں وہ تحریر "حسب الحکم" کہلاتی جو اگرچہ وزیر کی طرف سے جاری ہوتی تھی لیکن حکم بادشاہ کا ہوتا تھا گویا بادشاہ کے حکم کے مطابق۔

HASBUL HUKUM:- as commanded; a document issued by a minister or high officer which is agreeable to the royal authority

---

(بقیہ ص ۲۷۴) ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ٹونک" کے قریب وہ گاؤں جو مہاراجہ جگت سنگھ کے علاقہ میں واقع ہیں ان پر میرخاں قبضہ نہیں کریں گے اور نہ انکی جاگیر میں کوئی مداخلت کریں گے۔

اس کے علاوہ ایک تحریر قولنامہ "نواب میرخاں" کا مہاراجہ جگت سنگھ کے حق میں ۵ محرم ۱۲۲۳ھ کا موجود ہے، اس میں بھی مہاراجہ مذکور سے دوستی کا عہد ہے اور خدا تعالیٰ کا نام لے کر فریقین میں دوستی کا اقرار ہے۔ "نواب میرخاں" جو بانی "ریاست ٹونک راجپوتانہ" ہوئے ہیں انھوں نے "مہاراجہ ہلکر" سے مل کر راجپوتانہ کے اور مالوہ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور فتح کئے ہوئے نئے علاقوں میں سے بعض علاقے "میرخاں" کے قبضے میں دے دیے گئے تھے۔ چنانچہ "ٹونک" ۱۸۰۶ء میں میرخاں کے قبضہ میں آگیا تھا لیکن وہ باضابطہ رئیس یا نواب ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے معاہدہ کے بعد ہوئے تھے اور ٹونک کے ساتھ ساتھ دوسرے پرگنات بھی ٹونک ریاست میں ایک معاہدہ کے ساتھ شامل کیے گئے تھے اور باقاعدہ ریاست قائم ہونے کے بعد وہ اس کے نواب بنے تھے۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مہاراجہ جگت سنگھ کے دور میں جے پور ریاست کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی تھی اسی لیے مہاراجہ جے پور کو نواب میرخاں اور مرہٹوں کی مدد کی (بقیہ ص ۲۷۶ پر)

۷۔ **شقہ** ۔ ایک خط اعلیٰ کی طرف سے اپنے ماتحت کو اظہار واقعات یا کسی بات کی طرف اشارہ کے لیے کوئی بھی روداد خط کی شکل میں، عام طور سے چھوٹا کاغذ بلا اہتمام مہر۔

۸۔ **رقعہ** ۔ کوئی کاغذی تحریر ۔ خط جو کسی کی طرف سے ہو بادشاہ یا رئیس کو لکھا ہو۔ کسی بھی واقعہ نصیحت واردات کا ذکر کوئی بھی پرچہ کاغذ پر کر سکتا ہے اسے رقعہ کہیں گے ۔ شقہ اور رقعہ میں یہ فرق ہے کہ شقہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اظہار واقعات و روداد کے لیے ہوتا ہے اور رقعہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اظہار واقعات کے لیے ۔ لیکن اظہار واقعات اگر وزیر بادشاہ کو کرے تو اسے رقعہ نہیں تلخیص کہیں گے ۔

۹۔ **دستک** ۔ ڈرانے دھمکانے کے لیے کسی حاکم یا سپہ سالار کی طرف سے کسی دوسرے رئیس یا حاکم یا مقام جہاں پر کہ دھاوا بولا جا رہا ہو اس طرح کی تحریر کہ ہمارے لشکر کا انتظام و انصرام و خورد و نوش کیا جائے ورنہ فلاں تاریخ تک

(بقیہ ص ۲۷۵) ضرورت تھی ۔ اس دور میں "نواب میرخاں" اور مرہٹے کسی بھی فریق سے مل جاتے اور ان سے روپیہ وصول کرتے اور جس رئیس سے ملتے اس کی مکمل مدد کرتے، کیونکہ اس وقت "نواب میرخاں" ایک طاقت تھے ۔ غرض کہ یہ سب قول و قرار اس دور کے ہیں ۔
جے پور ریکارڈ میں کئی تحریریں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب میرخاں نے بہت سے مقامات پر راجہ جے پور کی مدد کی ہے اور کئی معاملات سلجھائے ہیں لیکن ۱۸۱۷ء میں یا اس کے پاس کے زمانہ میں سب ہی راجے ۔ نواب اور مرہٹے انگریزوں سے معاملہ کر کے ایک دوسرے کے معاملات سے سبکدوش ہو گئے تھے اور اپنی اپنی ریاست کے کاموں میں لگ گئے تھے ۔

نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہو، اگر حاکم وقت کوئی تحریر اس طرح لکھے کہ لگان یا نذر معاملہ فلاں تاریخ تک ادا کرو ورنہ معہ ہرجہ خرچہ وصول کر لیا جائے گا تو یہ تحریر بھی دستک کی تعریف میں آ جائے گی ۔

۱۰۔ **یادداشت** ۔ گزشتہ کسی واقعہ کو ریکارڈ کے طور پر لکھنا ۔

۱۱۔ **قول نامہ** ۔ تحریری اقرار کو کہتے ہیں ۔ اس میں بہت پختگی کے ساتھ اس بات کا قول قرار ہوتا ہے کہ ہم ہر طرح تمہارا ساتھ دیں گے، ہمارے دشمن تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہارے دشمن ہمارے دشمن سمجھے جائیں گے، جب بھی ہماری جمعیت کی ضرورت ہو گی ہم فوراً مدد کو پہنچیں گے یہ قول قرار زیادہ تر کسی جمعیت کے سردار کسی نواب رئیس یا راجہ سے کرتے تاکہ وہ مطمئن رہے، مسلمان جو قول نامہ لکھتے وہ خدا رسولؐ اور قرآن کا واسطہ دے کر ہر طرح مطمئن کیا کرتے تھے کہ ہم تم سے دغا اور بے وفائی نہیں کریں گے ۔

۱۲۔ قول نامہ بہر پنجہ ۔ یہ بھی قول نامہ ہی ہوتا تھا لیکن اس میں پختگی اور مضبوطی زیادہ ہوتی تھی، اس تحریر میں قول قرار کرنے والا اپنے ہاتھ کو زعفران میں ڈبو کر تحریر کے اوپر لگا دیتا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جان کی بازی لگا دیں گے لیکن بے وفائی نہیں کریں گے [1]

[1] جے پور ریکارڈ میں ایک "قول نامہ بہ مہر پنجہ" شجاع الدولہ ابو المنصور خاں صفدر جنگ بہادر کا بھی شامل ہے، جس کی مہر میں ۱۱۶۸ھ (۱۷۵۵ء) درج ہے اور مہاراجہ دھیراج سوائی مادھو سنگھ کے حق میں لکھا گیا ہے، اس میں تحریر ہے کہ جب بھی مہاراجہ کو ضرورت ہو گی اور وہ کمک طلب کریں گے، میں اسی وقت فوج بھیج دوں گا اور اگر خود مجھے طلب کریں گے تو میں (بقیہ ص ۲۷۸ پر)

۱۳- **عرضی**۔ وہ درخواست جو ادنیٰ اور ماتحت اعلیٰ کو پیش کرے مثلاً راجہ بادشاہ کو بھیجے کہ فلاں چیز مجھے دی جائے۔

۱۴- **عرضداشت**۔ وزیر یا افسر اعلیٰ ماتحت کی عرضی پر اظہار واقعات کرے اسے عرضداشت کہا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص عرضی بادشاہ یا راجہ یا نواب کو پیش کرے اس کی عرضی کے سلسلہ میں وزیر یا افسر اعلیٰ اظہار واقعات کرے گویا عرضداشت ماتحت کی طرف سے افسر اعلیٰ کو لکھی ہوئی رپورٹ ہوتی ہے جو کسی حاکم

(بقیہ ص ۲۷۷) خود پہنچ جاؤں گا۔ ہم آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ یعنی ایک کے دوست دوسرے کے دوست اور ایک کے دشمن دوسرے کے بھی دشمن ہونگے۔ اس بات پر خدا اور رسولؐ گواہ اور شاہد ہیں، کبھی اس سے انحراف اور خلاف ورزی نہ ہوگی۔

اسی طرح دوسرا پنجہ امیر الامرا بخشی الممالک اشرف الدولہ افراسیاب خاں بہادر نصرت جنگ کا ہے جو مہاراجہ سوائی پرتاب سنگھ بہادر کے حق میں لکھا گیا ہے۔ خدا اور رسولؐ اور حضرت علی مرتضیٰ کو درمیان میں دے کر مہاراجہ صاحب موصوف سے روابط برادری و یک رنگی جو پہلے سے چلے آرہے تھے اسے اس قول نامہ کے ذریعہ مؤکد کیا ہے کہ مدۃ العمر اسکے ذریعہ یک جان دو قالب رہکر مہاراجہ کے دوستوں کو دوست اور مخالفوں کو اپنا مخالف سمجھوں گا۔ اور جس بات سے مودت و یک دلی میں اضافہ ہو میری طرف سے بھی اور مہاراجہ کی طرف سے بھی اسکا لحاظ رہے گا۔ چونکہ عہد صدق دلی سے ہوا ہے، بال برابر بھی فرق نہ آئے گا۔ خدا و رسول و حضرت علی مرتضیٰ ان معاملات میں کفیل و ضامن ہیں۔

چونکہ یہ صاحب شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اسی لیے انھوں نے خدا و رسول کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کا نام بھی لکھا ہے۔ ان دونوں قول ناموں پر زعفرانی پنجہ لگا ہوا ہے (بقیہ ص ۲۷۹ پر)

کی طرف سے سرکار میں پیش ہوتی ہے۔

ARZADASHT:- a note or report from an inferior to his superior-

۱۵- **پٹہ**۔ وہ تحریر جو مالک جائداد کرائے پر جائداد کو استعمال کرنے کی اجازت دے یا زمین کو کاشت کے لیے دینے کی اجازت اور شرائط درج ہوں۔

۱۶- **قبولیت نامہ**۔ کرائے وغیرہ پر لینے کے لیے تحریری رضامندی قبولیت کہلاتی ہے، یعنی مالک کی طرف سے جو تحریر استعمال کی اجازت کے طور پر دی جاتی ہے وہ پٹہ کہلاتی ہے اور کرایہ پر لینے والا جو تحریر لکھتا ہے وہ قبولیت نامہ کہلاتی ہے۔

۱۷- **رسید**۔ رقم یا دوسری اشیا کی وصولی کی تحریر کو کہتے ہیں۔ لفظ "قبض الوصول" بھی قریب قریب اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے[1]۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۷۸) اور کیٹلاگ مذکور میں علی الترتیب نمبر ۲۹۳ و نمبر ۲۸۱ پر درج ہیں۔

[1] جے پور ریکارڈ میں کئی رسید ملتی ہیں جن میں نواب میرخاں کی رسیدیں بھی شامل ہیں۔ ایک رسید میں نواب میرخاں نے ایک لاکھ روپیہ سکہ مادھو پوری مہاراجہ جگت سنگھ سے ۱۶ رجمادی الثانی ۱۲۲۳ھ (۲۸ جولائی ۱۸۰۸ء) وصول کیے ہیں۔ اسی طرح دوسری بار "میرخاں" نے راجہ جگت سنگھ سے ۴ جمادی الثانی ۱۲۲۳ھ (مطابق ۱۸۰۸ء) مبلغ پچیس ہزار روپیہ سکہ مادھو پوری معرفت ہمت رائے ذریعہ رودہ و خواص وصول کرکے داخل "توشک خانہ" کیے ہیں۔ دونوں رسیدوں میں نواب میرخاں کی مہر ثبت ہے۔

عباس محمود العقاد

از جناب ابو سفیان اصلاحی

(۲)

شعر و ادب کے متعلق عقاد کے اصول و نظریات

۱۹۳۹ء کے بعد کے مقالات میں انھوں نے سیاست کے بجائے عربی ادب کی طرف توجہ دی اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں انھوں نے کئی عبقری شخصیتوں کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا[۱]

بیسویں صدی کے نصف ثانی سے قبل کی عربی شاعری پر بارودی، شوقی اور حافظ کا سکہ جما ہوا تھا، لیکن نصف آخر میں جو نسل پروان چڑھی اسکے احساسات کی کوئی جھلک ان شعرا کے یہاں نہیں دکھائی دیتی اور ان لوگوں کی شاعری وطنی اور قومی جذبات سے خالی تھی، ان کی توجہ زیادہ تر قوافی اور اوزان پر مبذول تھی اور یہ قدیم شاعری کی بندشوں میں گرفتار تھے۔

عقاد، مازنی اور شکری نے مذکورہ بالا شعرا کے نظریات پر شدید تنقید کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ شاعری کا مقصد قوم کے جذبات کی ترجمانی اور مناظر فطرت و حقائق کائنات کی مصوری ہے، اس کو تملق، تصنع اور تکلف سے پاک

۱؎ الشعر العربی فی المعاصر ص ۴۳ -

ہونا چاہیے، اس کا مقصد تاریخ نویسی اور قصہ گوئی نہیں ہے[۱]۔

اس طرح گویا عقاد، مازنی اور شکری نے جدید شاعری کی بنیاد ڈالی اور عربی ادب کو حریت و آزادی سے روشناس کرایا اور ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی۔ شکری اور مازنی نے اس جدید شاعری کا امام عقاد کو قرار دیا ہے[۲]۔

۱۹۱۳ء میں جب شکری کا دوسرا دیوان منظر عام پر آیا تو عقاد نے اس پر پہلا پیش لفظ لکھا جس میں شاعری کی تعریف کی اور اسکی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔

مازنی کے دیوان پر دوسرا پیش لفظ لکھتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ ایک شاعر کو روح عصر اور اپنے گرد و پیش کا ترجمان ہونا چاہیے، روایتی شاعری جدت و اختراع سے خالی اور اپنے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہوتی ہے[۳]

اس سلسلہ میں اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ انگریزی ادب پر بھی عقاد کی اچھی نظر تھی، انھوں نے ہازلٹ (HAZLITT) کے نقطۂ نظر کو اپنایا تھا، اور اسی کو سامنے رکھ کر شاعری کے اصول و قواعد متعین کیے تھے، ان کے خیال میں قصیدہ میں وحدت ہونی چاہیے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال ہونا چاہیے اور اسے لفاظی اور مبالغہ آرائی سے خالی ہونا چاہیے، انکے نزدیک شاعری کا تعلق زندگی سے ہونا چاہیے، جس میں شعوری کیفیت بھی پائی جاتی ہو[۴]

اس نہج پر عقاد اور ان کے رفقا نے شاعری کی جس کے نتیجہ میں حافظ اور

۱؎ العقاد ص ۹۷ ۲؎ ایضاً ص ۹۸ ۳؎ ایضاً ص ۱۰۱ ۴؎ فی الادب الحدیث ۱/۲۱۹ -

ان کے مکتب فکر کے شعرا کی شاعری متاثر ہوئی۔ عقاد اور مازنی نے "الدیوان" کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا[1] اور بتایا کہ اس کے دس اجزاء منظر عام پر آئیں گے لیکن افسوس کہ اس کی دو ہی جلدیں منظر عام پر آسکیں۔

تنقید کتب | فن تنقید میں عقاد کی کتاب "ابن الرومی۔ حیاته من شعره" ایک غیر معمولی کتاب ہے، اس میں ابن رومی کے عہد کے واقعات اور اس کی شعری خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے[2]۔ اس کے بعد دوسری اہم کتاب "شعراء مصر و بیئاتهم" لکھی، اس سلسلے کی تیسری کتاب "ابونواس الحسن ہانی" ہے جس میں ابونواس کی شاعری پر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے[3]۔ اس کے علاوہ بھی عقاد کی کئی تصانیف اور مقالات ہیں[4] جن میں تنقیدی بصیرت موجود ہے۔

مقالہ نگاری | عباس محمود العقاد کی ادبی زندگی کا ایک نمایاں پہلو انکی مقالہ نگاری بھی ہے۔ انہیں مختصر مقالات لکھنے میں مہارت حاصل تھی۔ مقالہ نگاری دراصل انگریزی زبان کی دین ہے، جس سے عقاد کی اچھی واقفیت تھی۔ بچپن ہی سے وہ انگریزی جرائد و رسائل خرید کر بھی پڑھتے تھے اور اپنے گاؤں میں رہنے والے انگریزوں کے پاس آنے والے جرائد و رسائل کو بھی پڑھتے تھے، جبکی وجہ سے عقاد کو مقالہ نگاری پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔

گاؤں ہی کی زندگی میں عبداللہ ندیم اور "العروة الوثقی" کے مقالات کا بھی مطالعہ کیا، جس کی وجہ سے ان کا میلان صحافت کی طرف ہوا اور یہ رغبت

---

[1] فی صحبة العقاد ص ۵۳ و ۵۴ [2] مع العقاد ص ۲۱۲ [3] ایضاً ص ۱۲۸ [4] ملاحظہ ہو الاعلام۔ خیرالدین الزرکلی۔ الطبعة السادسة۔ دارالعلم للملایین، ۱۹۸۴ء۔ ۳/۶۷ - ۲۶۶ -

دن بدن بڑھتی گئی اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے کہ دس ہی سال کی عمر میں وہ مختلف موضوعات پر انشائیے لکھنے لگے تھے، ان کے مقالات مصری اور غیر مصری جرائد و رسائل میں شایع ہوتے تھے[1]۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر مقالے لکھے، ان کے مقالات سے اس وقت کے سیاسی سماجی اور مذہبی رجحانات کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے۔ شروع میں انھوں نے بہت سے سیاسی مقالات لکھے لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ صرف علمی ادبی، تنقیدی اور معاشرتی مقالات لکھنے لگے۔ ان کے علاوہ انھوں نے مختلف عربی و انگریزی کتابوں پر مقالات کی شکل میں تبصرے بھی کیے۔

عقاد نے الاهرام، البلاغ، الجریدہ، الازھر، المشکاة، الاخبار، منبرالاسلام، اللواء، المؤید، الرسالة، الهلال، الظاهر اور الدستور اور ان کے علاوہ بے شمار جرائد و رسائل میں مختلف موضوعات پر مقالات تحریر کیے۔ عربی زبان میں مقالہ نگاری کو ترقی دینے میں عقاد کا بھی بڑا حصہ ہے۔ وہ تحریک "الدیوان" کے بانی ہیں۔ جس کے اثرات اس عہد کے ادبا پر مترتب ہوئے، اب تک عقاد کے مقالات کے درج ذیل مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں:-

۱۔ خلاصة الیومیة ۲۔ الشذور ۳۔ الفصول ۴۔ مطالعات فی الکتب والحیاة ۵۔ مراجعات فی الادب والفنون ۶۔ ساعات بین الکتب ۷۔ شعراء مصر و بیئاتهم فی الجیل الماضی ۸۔ وعلی الاثیر ۹۔ ویسئلونک ۱۰۔ بین الکتب والناس[2] ۱۱۔ ما یقال عن الاسلام ۱۲۔ خلیفة التونس

---

[1] عقاد تحیة ودراسة ص ۳۰۸ [2] عباس محمود العقاد۔ فصول من النقد عند العقاد۔ مکتبة الخانجی۔ مصر (بدون تاریخ) ص ۲۱۳۔

نے مذکورہ بالا مجموعوں کے کچھ مقالات اور بعض جرائد و رسائل کے منتخب مقالات کو ایک علٰحدہ مجموعہ میں جمع کیا تھا جس کا نام "فصول من النقد عند العقاد" ہے۔

آگے عقاد کے مختلف النوع مقالات پر گفتگو کی جائے گی اور آخر میں ان کے اسلوب پر بحث ہوگی۔

ادبی مقالات بیسویں صدی میں جدید عربی ادب سامنے آیا تو روایتی ادب کے دلدادہ شعرا و ادبا تلملا اٹھے، چنانچہ قدیم اور جدید کے مسئلے پر رافعی اور طٰہٰ حسین کے درمیان زبردست قلمی جنگ ہوئی۔ اس وقت کے بہت سے ادبا نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہے۔ عقاد نے بھی اس موضوع پر لکھا اور بتایا کہ قدیم و جدید کی حقیقت کیا ہے۔ ذیل میں ہم انکے مقالہ "القدیم والجدید" کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے ان کی وسعت نظر کا اندازہ ہوگا۔

"قدیم و جدید کے ہمنوا اس نقطہ پر متفق ہیں کہ وہ اپنی بات اس انداز سے کہیں کہ اس میں کہیں سے تقلید کا شائبہ موجود نہ ہو اور زبان کے علاوہ اس میں فکری بلندی بھی پائی جائے۔ اپنی تحریر پڑھنے کے بعد وہ خود سے سوال کرے کہ اس نے کیا کہا۔ نہ یہ کہ اس نے کیسے کہا ہے، اس چیز کو میں جدید تصور کرتا ہوں۔"

عقاد نے ان لوگوں کو ہدف تنقید بنایا ہے جو صرف لفظی بازیگری کو پیشہ بنائے ہوئے تھے اور جو صرف عبارت آرائی پر توجہ دیتے تھے۔ انھوں نے تحریر کے مقابلہ میں مفاہیم و معانی کو اولیت بخشی اور موجودہ تقاضوں اور حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا کہ ہماری نظر میں وہ بڑا ادیب نہیں جو دور جدید میں جاحظ (۸۶۹ – ۷۸۰ ء) کے اسلوب میں لکھے اور عصری مسائل کو

روایتی اسلوب میں پیش کرے[1]۔

عقاد نے مطالب پر زور دینے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اسلوب میں اپنے عہد کے تقاضوں اور قارئین کے احساسات کو مدنظر رکھا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ "جو لوگ عربی اسلوب و نہج کی بات کرتے ہیں وہ انگریزوں کے نہج اور طرز بیان کو اس لیے معیوب تصور کرتے ہیں کہ تقلید اور روایت کے پجاری ہیں۔ ایسے لوگوں پر مجھے حیرت ہے وہ جن اسالیب اور جن الفاظ کو اپنی تحریروں میں استعمال کرتے ہیں انہیں خود سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ کیا عربی زبان کا کوئی لگا بندھا نہج ہے کہ جس سے انحراف کیا ہی نہیں جا سکتا۔ پہلے اور بعد کے دور کے دو ایسے ادیب و نثر نگار کو پیش نہیں کیا جا سکتا جن کے لکھنے کا اسلوب یکساں ہو۔ دراصل ہر ادیب کا اپنا جداگانہ اسلوب ہوتا ہے اور عربی زبان کے مختلف ادوار میں مختلف اسالیب رہے ہیں۔ اس لیے ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس اسلوب میں لکھنا چاہے لکھے، کیونکہ عربی ادب پر تمام لوگوں کے حقوق برابر ہیں[2]۔"

زیر بحث مقالہ میں عقاد نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ عربوں میں زبانی بات چیت اور خطابت کی بہ نسبت لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔ ایک عرصے تک عربی زبان تصنیف و تالیف کی زبان نہ بن سکی لیکن آج عربی زبان اس سطح پر آپہنچی ہے کہ اب اس میں تمام علمی مباحث پیش کیے جا سکتے ہیں[3]۔ وہ ابن مقفع کو اپنے عہد کا

---

[1] عباس محمود العقاد۔ مطالعات فی الکتب والحیاۃ۔ الطبعۃ الثالثۃ۔ دار الکتاب العربی بیروت۔ لبنان ۱۹۶۶ء ص ۳۳۶ – ۳۳۷ [2] مطالعات فی الکتب والحیاۃ ص ۳۳۷ – ۳۳۸ [3] ایضاً ص ۳۳۹۔

بلند ادیب مانتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے اور اس کے عہد میں بڑا فرق ہے[1]

عقاد نے اپنی کتاب "ابن الرومی - حیاته و شعرہ" میں ابن رومی (۸۳۶ - ۸۹۶) کی شاعری پر مفصل بحث کی ہے۔ انھوں نے ابن رومی کی جانب اس لیے اعتنا کیا تھا کہ عظیم شاعر ہونے کے باوجود ناقدین نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ ابن رومی کی شاعری میں اشیا کی بہت اچھی تصویر کشی ملتی ہے۔ منظر کشی میں وہ جدید و قدیم تمام عربی شعراء سے فائق ہے۔ وہ فطرتاً مصور واقع ہوا تھا[2]۔ ان کے نزدیک وہ بحتری اور ابن المعتز وغیرہ سے بدرجہا بلند تھا۔

ماکولات و مشروبات کے متعلق ابن رومی نے جو کچھ کہا ہے اس میں بھی شعریت اور تصویر کشی موجود ہے، اگر اس کی شاعری اور تصویر کشی کو ایک ہی سکہ کے دو رخ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ابن رومی نے اپنے پسندیدہ کھانوں کے متعلق کہا:

خذ یا مؤید الماکل اللذیذ / جردقتی خبز من السمیذ

لم تر عین ناظر مثلیهما / نقشر الحرفین عن وجهیهما

حتی تربینهما مثل اللبن / مقسومة کانها وشی الیمن

---

[1] مطالعات فی الکتب والحیاۃ ص ۳۴۱ - ۳۴۲ [2] عباس محمود العقاد۔ مراجعات فی الادب والفنون۔ الطبعۃ الاولیٰ۔ دار الکتاب العربی بیروت سنہ ۱۹۶۶ء ص ۱۴۳۔

واعمد الی البیض السلیق الاحمر / فدر همم الوسط به ودنو[1]

عقاد نے ابن رومی کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کرکے بتایا ہے کہ اس میں اور روایتی شعراء کے قصائد میں نمایاں فرق ہے۔ وہ مدحیہ قصائد میں اپنی خودداری کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے۔ اس قسم کے اس کے متعدد قصائد ہیں۔ یہاں اسکا قصیدہ "نونیہ" پیش کیا جارہا ہے جسے اس نے کسی جشن کے موقع پر عبید اللہ بن عبد اللہ کو مبارکباد دینے کے لیے کہا تھا۔ عقاد نے انتخاب کیے بغیر اس قصیدے کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔

مهرجان کانما صورته / کیف شاءت مخیرات الامانی

وادیل السرور واللهو فیه / من جمیع الهموم والاحزان

لبست فیه حفل زینتها الد / نیا وزانت بمنظر فتان

واذابت من وشیها کل برد / کان قدما تصوغه الصوان[2]

عقاد نے اور بھی اشعار نقل کیے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے انہیں قلم انداز کیا جارہا ہے، البتہ انھوں نے ان اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ ابن رومی نے اس جشن کی نہایت حسین تصویر کشی کی ہے۔ اس نے محسوسات و مشاہدات کو اتنی خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے کہ جشن کا پورا نقشہ نظروں میں رقص کرنے لگتا ہے[3]۔

مذکورہ بالا تبصرہ سے ابن رومی کی شاعری کی خصوصیت معلوم ہوجاتی ہے۔

عقاد نے بشار ابن برد (۷۱۴ - ۷۸۴ء) کی شاعری پر مبسوط تبصرہ کرکے

---

[1] عباس محمود العقاد۔ مراجعات فی الادب والفنون۔ الطبعۃ الاولیٰ۔ دار الکتاب العربی بیروت سنہ ۱۹۶۶ء ص ۱۴۵ [2] مراجعات فی الادب والفنون ص ۱۴۷ [3] ایضاً ص ۱۴۹۔

بتایا ہے کہ اس میں جذبات، روحانیت اور فکر کا فقدان ہے اور وہ فحاشی، یاوہ گوئی اور جسمانی محبت کے تذکرے سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے عورتوں کو نہایت رکیک اور سطحی نظر سے دیکھا ہے۔ وہ ظاہری چمک دمک، رنگینی، خوشبو اور مادی محاسن کا دلدادہ ہے اور صنف نازک کی تعریف میں ان کے کپڑوں، نقش ونگار، چہروں کے رنگ، ان کی آرائش کے سامان اور زیورات وغیرہ کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیتا ہے۔

وخذی ملابس زینة　ومصبغات فھو افخر

واذا دخلت تقنعی　بالحمد ان الحسن احمر[1]

عقاد کثیر التصانیف ہیں، عام طور پر زود نویس مصنفین کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ ان کے یہاں فکر کی گہرائی کم ہوتی ہے، لیکن عقاد کے یہاں زود نویسی کے باوجود بھی بلند افکار اور فلسفیانہ عنصر پایا جاتا ہے۔ انھوں نے مقالہ "المنفلوطی" میں منفلوطی (۱۸۷۲ - ۱۹۲۴ء) کے متعلق جن آراء کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت سے ہمکنار ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ منفلوطی عربی کے ان ادیبوں میں تھے جنھوں نے عربی انشا پردازی کو معنویت و مقصدیت سے ہمکنار کیا، جس کا تصور اس وقت ختم ہو چکا تھا۔[2] وہ منفلوطی کی تحریروں میں کچھ خامیاں بھی بتاتے ہیں۔[3]

گو تحریک "الدیوان" سے قبل جدید عربی شاعری کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن یہ شاعری جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھی۔ عقاد اور ان کے رفقاء نے

---

[1] مراجعات فی الادب والفنون ص ۱۱۸ [2] ایضاً ص ۱۵۵ - ۱۵۶ [3] ایضاً ص ۱۵۶ -

جدید شاعری کی حقیقی بنیاد ڈالی، انھوں نے شوقی پر تنقید کرتے ہوئے بتایا "اے عظیم شاعر! شاعر وہ ہے جو اشیاء کے حقائق سے آگاہ ہو، ان کے نام گنانے اور ان کے رنگ و شکل بیان کرنے کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ شاعر کا فرض یہ ہے کہ وہ حقایق کی گہرائیوں میں اترے اور زندگی سے اس کے تعلق کو واضح کرے"۔[1] انھوں نے "الدیوان" میں شوقی کی بہت سی خامیوں کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے اور ان کے رفقاء نے شاعری کے واضح خطوط متعین کیے ہیں اور خود بھی انہی خطوط پر شاعری کا آغاز کیا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں عقاد کو ایک تقریب میں جدید عربی شاعری کے امیر کے لقب سے نوازا گیا۔[2]

عقاد کے مضمون "فی الشعر العربی" میں نثری شاعری پر بحث کی گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آزاد شاعری کے اصل محرک السید توفیق البکری (۱۸۷۰-۱۹۳۲ء) جمیل صدیقی اور عبدالرحمان شکری ہیں۔ ان میں سے کسی کو کسی پر اولیت دینا مناسب نہیں ہے۔[3]

یورپین شعراء کے یہاں قوافی کی پابندی کا کوئی تصور نہیں ہے جس کی تقلید کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں ہے۔ عربی شاعری میں قوافی کے بغیر موسیقی آ ہی نہیں سکتی۔[4] عقاد نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ عرب شعراء ایک زمانے سے آزاد نظمیں لکھ رہے ہیں لیکن یہ ابھی تک نامانوس ہے، کیونکہ آزاد شاعری

---

[1] الدیوان ۱/ ۶ بحوالہ فی الادب الحدیث ۲/ ۲۱۷ [2] انا (اردو ترجمہ) اشاعت اول۔ ادارۃ البحوث الاسلامیۃ۔ جامعہ سلفیہ، بنارس، ۱۹۸۷ء ص ۳۰۳ [3] عباس محمود العقاد - نیناٹونک مطبعۃ مصر - ۱۹۴۶ء ص ۶۴ [4] نیناٹونک ص ۶۷ - ۶۸

عربی شاعری کے مذاق کے منافی ہے۔

شاعری سے متعلق عقاد کا ایک اہم مضمون "المدرسة الرمزیة" بھی ہے۔ ان کے نزدیک شاعری کو مقصدیت کا حامل ہونا چاہیے، اسی لیے انھوں نے اسلوب سے زیادہ مواد و مفہوم پر زور دیا ہے۔ اگر اسلوب کو سنوارنے میں مفاہیم پر زد آئے تو معانی ہی پر توجہ دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مازنی اور شکری نے قوافی میں وسعت دی[1]

عقاد نے جب دیکھا کہ رمزیہ شاعری کے علمبردار غلو کر رہے ہیں تو انھوں نے اس پر گرفت کی اور بتایا کہ رمز کا وجود عرصہ دراز سے ہے۔ کتابت کی ایجاد سے قبل انسان اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی "رموز" ہی کے ذریعہ کرتا تھا۔ دینی باتیں بھی انھی رموز کے ذریعہ پیش کی جاتی تھیں، اسلام، عیسائیت اور اسرائیلیت تینوں مذاہب میں رموز موجود ہیں[2]

رمزیہ مکتب فکر سے مراد وہ اسکول ہے جو موجودہ صدی کے اوائل میں منظر عام پر آیا اور مدرسہ "البرناسیین" پر غالب آگیا۔ یہ اسکول شعر و نثر کے ظاہری حسن و جمال پر توجہ دیتا تھا۔ ان کے یہاں ظاہری آرائش اور بلاغت ہی سب کچھ تھی۔

گذشتہ صدی کے اواخر میں "برناسیین" کے خیالات منظر عام پر آئے، لیکن رمزیت پسند ادبا نے ان کی شدید مخالفت کی۔ رمزیت پسندوں کی باتیں درست تھیں، لیکن جذبات کی رو میں وہ جدیدیت پسند ادبا کے دوش بدوش

[1] فی الادب الحدیث ۲/ ۲۱۹ [2] یسئلونک ص ۸۳۔

جا کھڑے ہوئے۔

مختصراً اشاراتی و رمزیاتی ادب بہت کچھ دے جاتا ہے اور ذہن ایک دور دراز معانی کو گرفت میں لے لیتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ اس میں غلو اس قدر بڑھا کہ ابہام پیدا ہوگیا۔ اس کی وجہ سے اب ان کی تحریریں دوسروں کی فہم سے بالاتر تھیں اور وہ یہ تصور کر بیٹھے کہ ہماری تحریریں صرف ہمارے لیے ہیں، چنانچہ واضح حروف اور بین مفاہیم و کلمات سے بے نیاز ہوگئے[1]

عقاد کو ان کا یہ نظریہ ناپسند تھا اور انھوں نے رمزیت پسند حلقے پر سخت تبصرہ کیا۔ آغاز میں رمزیت پسند اسکول کے یہاں اعتدال اور مقصدیت تھی اور اس وقت اسرار و رموز اور پوشیدہ حقائق پر روشنی ڈالی جاتی تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ اسکول اپنی ڈگر سے ہٹ گیا اور اب انہیں حقائق سے کوئی سروکار باقی نہیں رہا[2]

معاشرتی اور دینی مقالات

عقاد کے بہت سے مقالات کا تعلق معاشرہ اور دین اسلام سے بھی ہے۔ ان میں اپنے والدین کی وجہ سے مذہبی پختگی تھی اور وہ اپنے وطن کے بھی مخلص تھے۔ اسی لیے وہ اپنے مقالات میں ملک کی خرابیوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اپنی سوانح "انا" میں رقم طراز ہیں کہ "اگر مختلف اضلاع اور علاقوں میں ملازمت کے مواقع میسر نہ ہوتے تو میں اس عہد کے نظام کے محاسن و عیوب سے ناآشنا رہتا اور مختلف اصلاح طلب گوشوں سے ناواقف رہتا۔"[3]

[1] یسئلونک ص ۸۴ [2] ایضاً ص ۸۷ [3] انا ص ۷۹۔

وطن کی خدمت کے پیش نظر عقاد نے سیاسی مقالات تحریر کیے وہ آزاد صحافت کے قائل تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اصول وضوابط کے سامنے کسی کی پروا نہیں کی، یہاں تک کہ اپنے محبوب لیڈر سعد زغلول کو بھی نہیں بخشا۔ ۱۹۲۷ء میں جب شوقی کو ایک تقریب میں " امیر الشعراء العربی" کا لقب دیا گیا جس کی صدارت سعد زغلول نے کی تو وہ اس پر اظہار خیال سے باز نہ آئے، وہ صحیح مقصد کے لیے غلط ذرایع کو جائز قرار نہیں دیتے[1] عقاد کی اسی بے باکی کی وجہ سے سعد زغلول انہیں " کاتب جبار المنطق" کہا کرتے تھے۔ ان کے سیاسی مقالات سے سعد زغلول کو بھی توانائی ملی۔

اپنے مقالہ " المرأة والرجل فی الحیاة العامة" میں عقاد نے مرد اور عورت کی حیثیت اور ان کے دائرۂ اختیار پر روشنی ڈالی ہے۔ انکا خیال ہے کہ عورت نہ الوہیت کے درجہ پر فائز ہے اور نہ ہی صفاتِ ملائکہ سے متصف ہے، یہ عورت زدہ لوگوں کا خیال ہے۔ میں یہاں صرف عورتوں کے حقوق پر روشنی ڈالوں گا اور بالعموم مرد اور عورت ایک دوسرے پر اپنے اپنے حقوق جتانے میں جن حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔[2]

عقاد کا خیال ہے کہ " مردانگی ایک مسلمہ حقیقت ہے یہ کوئی فرضی اور لایعنی شے نہیں۔ اس وصف سے متصف لوگ اسی سرزمین پر آباد ہیں۔ ساتویں آسمان یا کوہ قاف سے ان کا تعلق نہیں ہے" اس سے مرد و عورت کے مابین فرق اور عورت پر مرد کی یک گونہ فضیلت ثابت ہوتی ہے[3] (باقی)

---

[1] عقاد دراسة و تحیة ص ۶۳ [2] مطالعات فی الکتب والناس ص ۱۵۲ [3] ایضاً ص ۱۵۳۔

سوئے حرم

از ضیاء الدین اصلاحی

(۲)

۴ ذی الحجہ کو طے ہوا کہ کل صبح سویرے مولانا عبدالرؤف صاحب کی رہنمائی میں غار حرا چلا جائے چنانچہ ۵، ۵ ریال ٹیکسی والے کو دے کر وہاں پہنچے بظاہر تو معلوم ہو رہا تھا کہ پہاڑ کی چوٹی زیادہ دور نہیں ہے تاہم بعض لوگ تو شروع ہی میں ہمت ہار بیٹھے، کچھ لوگوں نے درمیان میں فیصلہ تبدیل کر دیا، ماریشس کے گل حمید صاحب کا بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا جب وہ رکے تو کچھ احباب بھی ان کی خدمت دیکھ بھال کے لیے رک گئے، مگر میں نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ ان شاء اللہ اوپر پہنچ کر دم لوں گا، لیکن جس قدر اوپر جاتا تھا اسی قدر مشکل سوا ہوتی جاتی تھی، تاہم کبھی عزم و ارادہ میں کمی نہیں آئی ع اگر اڑنے کی دھن ہوگی تو پیدا ہوں گے بال و پر راستے میں جگہ جگہ لوگ خیمے ڈال کر اور فرش بچھا کر مشروبات، آئس کریم، چائے، مونگ پھلی اور تربوزے وغیرہ فروخت کرتے ملے، بکثرت سائلین بھی ملے اور غار حرا کے مناظر کی تصویریں بیچنے والے بھی، یہ سب دیکھ کر تیرتھ گاہوں کا خیال آنے لگا اور جب بالکل چوٹی پر پہنچا تو خوش عقیدگی کے بعض کرشمے دیکھ کر مولانا حالی مرحوم کی مسدس کے اشعار یاد آگئے کہ ع نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں، اماموں کو

اس قسم کی خوش عقیدگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ تو اپنی خشک وہابیت کے لیے بدنام ہیں، یہ ہم عجمی ہی ہیں جو تازہ شریعت ایجاد کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ اس سرزمین پر ہوتا ہے جہاں الوہیت و نبوت کا فرق و امتیاز بتانے والی وحی کا نزول ہوا تھا، ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بہرحال اللہ کے فضل و کرم سے میں پہاڑ کے بالکل اوپر پہنچ گیا، تمام رفقا اِدھر اُدھر ہوگئے تھے، مولوی اشرف صاحب اور ان کے ایک ساتھی حافظ صاحب جن کا نام یاد نہیں رہا، کافی دور تک میرے ساتھ رہے مگر آخر میں انکا ساتھ بھی چھوٹ ہی گیا، اوپر پہنچا تو پروفیسر مسعود ملے جو اب واپس ہونا چاہتے تھے، میں کچھ دیر تک رک کر ہر طرف کا جائزہ لیتا رہا جس سے اندازہ ہوا کہ غار کے دہانے تک پہنچنا آسان نہیں ہے، اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن وہاں جانے کا راستہ بہت تنگ تھا اور جو تھا وہ بھی آدمیوں سے بھرا ہوا، کوئی آرہا ہے، کوئی جا رہا ہے، کچھ لوگ راستے ہی میں بیٹھے ہیں، کچھ لوگ غار سے اور آگے جاکر تھوڑی سی جگہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، علاوہ ازیں غار کے داہنی طرف جو کھائیں تھیں اگر آدمی ذرا بھی لڑکھڑایا تو اس میں جا گرے گا اور اس کا جائے وقوع اس طرح تھا کہ غالباً وہاں تک کسی بچانے والے یا نکالنے والے کا پہنچنا آسان نہیں تھا، اس لیے بہت غور و تامل کے بعد میں نے غار میں نہ جانے ہی کا فیصلہ کیا اور بس حسرتیں لے کر واپس چلا آیا۔

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

پہاڑ سے اترنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ مولوی اشرف صاحب اور حافظ صاحب

آگئے، میں نے پوچھا مولانا عبدالروف صاحب کہاں رہ گئے، ان لوگوں نے کہا ابھی وہ پیچھے ہیں، اترنے میں کافی وقت اور دشواری ہورہی تھی، پہاڑ پر چڑھنے سے پہلے ہی ایک جگہ متعین کرلی گئی تھی کہ جو لوگ پہلے آجائیں وہ یہیں رک کر انتظار کریں اور جب سب لوگ اکٹھا ہوجائیں تو ساتھ ہی قیام گاہ کو واپس چلیں، چنانچہ سب لوگ تو آگئے مگر حسین امین صاحب نہیں لوٹے، میں اترتے وقت جب اپنی مسافت کا ۲/۳ حصہ طے کر چکا تھا تب وہ اوپر جا رہے تھے، ہم لوگ کچھ دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے، آخر میں مولانا عبدالروف صاحب نے فرمایا کہ وہ رک جاتے ہیں تاکہ ان کو لوا کر آئیں، اور سب لوگ چلے جائیں۔ لیکن مولانا عبدالروف بھی تنہا ہی واپس آئے اور انھوں نے کہا کہ بہت انتظار کے بعد بھی جب وہ نہیں لوٹے تو میں چلا آیا اب سب لوگوں کو تشویش ہوئی کہ آخر کہاں رہ گئے، کافی دیر گزرنے کے بعد جب وہ آئے تو ہم لوگ بہت خوش ہوئے کہ ع یوسفِ گم گشتہ باز بہ کنعاں آمد، حرا پہاڑ پر چڑھتے اور اترتے وقت اور اب بھی برابر یہ خیال ہورہا ہے کہ ہم لوگوں کا حال تو ایک دفعہ چڑھنے میں یہ ہوگیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی سے پہلے یہاں متعدد بار آئے، سچ ہے

رہرواں را خستگیِ راہ نیست عشق ہم راہ است و ہم خود منزل است

یہ پہاڑ کتنا خوش قسمت ہے کہ اس پر آپ کے مبارک قدم پڑے اور یہیں وحی الٰہی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا، اسی وحی نے تو عربوں کی کایا پلٹ کردی تھی، اسکی بدولت امیوں نے پوری دنیا میں اجالا کر دیا تھا اور ہر طرف اس کی وجہ سے بہار آگئی تھی، آپ پر یہاں جو وحی اتری اس کی اہم اور

بنیادی دفعہ اِقْرَأ (پڑھو) لیکن آج امت میں تعلیم کا فقدان ہے۔

ہم لوگ ۵ ذی الحجہ کو حرا گئے تھے، اسی روز رات میں لوگوں نے جمرات جانے کا پروگرام بنایا، مولانا عبدالروف صاحب نے مجھ سے بھی اصرار کیا مگر میں نے کہا مولانا بہت تھک گیا ہوں، وہاں تو جانا ہی ہے اس لیے آج نہیں جاؤں گا۔

۶، ۷ ذی الحجہ کو منیٰ میں چہل پہل شروع ہوگئی تھی، خیمے لگ رہے تھے، ۷ ہی کو حجاج کی آمد شروع ہوگئی تھی اور ۸ کو ہر طرف سڑکوں، راستوں، پہاڑیوں اور گلی کوچوں میں آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے، ہر گوشہ میں دوکانیں بھی کھل گئی تھیں، ان کو دیکھنے کے لیے ہم لوگ بھی نکلتے رہے، انہی تاریخوں میں دوبار مسجد خیف میں نماز پڑھنے کی سعادت بھی میسر آئی۔ ۸ ذی الحجہ کو باوجود کوشش مسجد کے اندر بھیڑ کی وجہ سے نہیں جاسکے۔ منیٰ میں بہت سے حجاج سڑکوں اور راستوں ہی میں رہے، ان کو خیمے میں رہنا نصیب نہیں ہوا، نماز مسجد سے زیادہ لوگ خیموں اور سڑکوں ہی پر ادا کرتے تھے، خبر ملی ہے کہ آئندہ سال سعودی حکومت منیٰ میں حاجیوں کے لیے مکان تعمیر کرائے گی۔

وزارۃ الحج والاوقاف کی دعوت پر جو حجاج کرام تشریف لائے تھے ان میں ہمارے بزرگ دوست مولانا حبیب ریحان خاں ندوی بھوپالی بھی تھے، یہ مولانا حافظ محمد عمران خاں ندوی مرحوم کے بڑے صاحبزادے اور پروفیسر مسعود الرحمن خاں ندوی کے عم زاد بھائی تھے، چنانچہ ہم دونوں ان سے ملنے کے لیے گئے بڑی مشکل سے سنتری نے اندر داخل کیا اور ہم لوگوں کو ڈرائینگ روم میں بیٹھا دیا اور کہا کہ میں ان کو اطلاع کر دیتا ہوں، ہم لوگ بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے ڈرائینگ روم

بڑا شاندار اور آراستہ پیراستہ تھا، ہم لوگ اس کی سجاوٹ اور دلفریبی میں کھو گئے، یکایک خیال ہوا کہ اب مغرب کا وقت ہوگیا ہے اس لیے بلا ملاقات کیے ہی چلے آئے، واپسی میں جہاز پر مولانا سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ میں تم لوگوں کی خبر پاکر فوراً ہی نکلا اور تلاش کرتا رہا مگر پتہ نہیں چلا کہ کہاں بیٹھے ہو۔

اب حج کے ایام شروع ہوگئے تھے اس لیے ہر طرف مجمع ہی مجمع رہتا تھا، رابطہ کا مہمان خانہ آدمیوں سے بھر گیا تھا، برآمدوں میں لوگوں کے بستر لگ گئے تھے، مجاہدین کی طرح ہر وقت چاق چوبند رہنا پڑتا تھا ورنہ ع

یک لحظہ غافل بودم صد سالہ راہم دور شد

کھانے کی میزیں بھر جاتی تھیں، کئی کئی دفعہ میں لوگ کھانے سے فارغ ہوتے تھے، وضو، غسل اور بیت الخلاء کے لیے بھی قطاریں لگتی تھیں، مہمان خانہ کی مسجد کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا تھا، ذرا دیر ہوئی تو برآمدے میں جگہ ملتی تھی یا جماعت کی سعادت سے محروم ہونا پڑتا تھا۔ اس طرح کی مشغول اور مجاہدانہ زندگی کا سلسلہ ۱۳ ذی الحجہ تک رہا۔

۸ ذی الحجہ سے حج کے ایام شروع ہوگئے، اس دن حجاج مکہ سے آکر منیٰ میں قیام کرتے اور رات گزارتے ہیں، ہم لوگ منیٰ ہی میں مقیم تھے، صبح نہا دھو کر احرام باندھا اور تلبیہ، اذکار اور دعاؤں میں مشغول ہوگئے، اس دن مسجد خیف میں نماز پڑھنے کی کوشش کی مگر صرف مغرب ہی کی نماز پڑھنے کی سعادت میسر آئی، ۹ ذی الحجہ کو ناشتہ سے فارغ ہو کر عرفات جانے کے لیے تیار ہوگئے، غالباً ۹ بجے

اعلان ہوا کہ گاڑیاں آگئی ہیں، ہم لوگوں کو جس نمبر کی گاڑی پر بیٹھنا تھا اس میں سوار ہوگئے۔

منیٰ سے عرفات تک چٹیل میدان ہے، درمیان میں مزدلفہ میں کہیں کہیں حکومت کی تعمیر کردہ بعض عمارتیں ہیں ورنہ آبادی کا نام ونشان نہیں، عرفات میں ایک صاحب نے بتایا کہ فاصلے پر گاؤں ہیں جن میں اعراب (بدو) رہتے ہیں، سعودی حکومت نے ہر طرف سڑکوں کا جال بچھادیا ہے، ملک کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی بہت عمدہ، کشادہ اور صاف ستھری ڈامر کی سڑکیں تھیں، سڑکوں پر گاڑیوں اور بسوں کی ریل پیل، راستوں اور میدانوں میں آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ، عربی عجمی، کالے، گورے، یورپ، امریکہ، افریقہ، اسٹریلیا اور ایشیا کون برِ اعظم اور کون ملک ہے جہاں کے آدمی نہ ہوں گے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز تھی جس پر آج تک لوگ پورے جوش وخروش سے لبیک کہہ رہے ہیں، مولانا شبلیؒ مرحوم کے الفاظ میں:۔

"حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا، حضرت سارہؑ نے کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیمؑ مکہ میں چلے آئے، حضرت اسماعیلؑ جوان ہوچکے تھے، اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ: ۱۲۷)

اور جبکہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی:

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

(حج: ۲۶،۲۷)

ہمارا گھر طواف کرنے والوں (نماز میں) قیام کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی تو ہر دور دراز گوشہ سے آئیں گے۔

اس وقت اعلان واشتہار کے وسائل نہیں تھے، ویران جگہ تھی اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا، ابراہیمؑ کی آواز حدود حرم سے باہر نہیں جاسکتی تھی لیکن وہی معمولی آواز کہاں کہاں پہنچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک ہے[1]

وادی غیر ذی زرع میں حکومت نے شجر کاری کی کوشش کی ہے، نیم کے چھوٹے چھوٹے درخت، دوسری قسموں کے درخت، پھول اور سبزے بھی نظر آرہے تھے، اس کی وجہ سے عرفات میں مسجد نمرہ کے آس پاس ہریالی اور شادابی تھی۔ راستے میں ازدحام کی وجہ سے جابجا گاڑی رکتی تھی، اس لیے منٹوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہوا۔ عرفات میں مسجد نمرہ کے ارد گرد ہر طرف خیموں کا شہر آباد ہوگیا تھا، اس کے باوجود کتنے لوگوں کو سڑک کے کنارے درختوں کے نیچے ہی جگہ ملی، دھوپ بھی سخت تھی اور گرمی بھی شدید۔ جن بے چاروں کو خیمے نہیں ملے تھے ان کا کیا حال رہا ہوگا، سننے میں آیا کہ بعض لوگ اللہ کو پیارے ہوگئے،

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۵۴۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔

ہم لوگوں کے خیمے مسجد نمرہ کے قریب ہی تھے، خیمے ہی میں کھانے کے پیکٹ مل گئے، ٹھنڈے پانی کا بھی انتظام تھا، وضو اور ضروریات کے لیے بھی پانی مہیا تھا، سرزمین مکہ کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا گیا ہے، پہلے دور دور تک پانی کا نام ونشان نہیں تھا مگر اب سعودی حکومت کی خوش انتظامی نے مکمل تلافی کر دی ہے، ہم لوگ جہاں بھی گئے، پانی کی کمی کا احساس کہیں نہیں ہوا، روزانہ ہر شخص غسل کرتا، مجھے پیاس بہت لگتی تھی، لیکن ہر جگہ نہایت ٹھنڈا پانی موجود رہتا تھا، اس لیے اس ویرانے میں بھی نہ کبھی بھوک پیاس کی تکلیف ہوئی اور نہ پانی کے بغیر کبھی کوئی کام رکا۔ اس کے مقابلے میں ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگوں کو پانی میسر نہیں آتا، اس سال اعظم گڈھ میں عین عید کے دن لوگوں کو نہانے کے لیے پانی نہیں ملا۔

۱۲ بجکر ۲۰ منٹ ہوئے تو شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ کا ولولہ انگیز خطبہ شروع ہوا جس کو عموماً لوگوں نے بہت پسند کیا، ذیل میں اس کے بڑے حصہ کا اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں،

خطبہ مسنونہ اور تلقین تقویٰ کے بعد امام صاحب نے فرمایا:۔

"مخلوق کی پیدائش کا مقصد اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اس کی خالص اطاعت ہے، اسی کی دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی تھی۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ	اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھی
مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ	بھیجے ان کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ	میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری
(انبیاء: ۲۵)	ہی عبادت کرو۔

تمام نبیوں کے آخر میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی دعوت دینے کیلئے تشریف لائے، آپ دس سال تک مکہ معظمہ میں لوگوں کے دلوں سے شرک کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے اور توحید کو جاگزیں کرنے میں مشغول رہے، قرآن مجید اسی اصل عظیم کی توضیح اور اس کے متعلق مشرکین کے شکوک و شبہات کے ازالے سے بھرا ہوا ہے،

اسلامی عقائد کی اہمیت اور شرک کی مذمت

مشرکین کو خیال تھا کہ جن چیزوں کو انھوں نے اپنا معبود بنایا ہے وہ اللہ اور ان کے درمیان واسطے ہیں، یہ انکی نادانی اور زبردست گمراہی تھی، اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ اور وسیلہ نہیں ہوتا، اللہ کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے، مشرکین کے اس تصور و عقیدہ سے اللہ کی ربوبیت کا انکار لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ان کی کھلی اور چھپی باتوں کو جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے، اس کا دروازہ سائلین کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں
وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ	اور زمین میں ہیں، وہ ہر وقت
فِيْ شَاْنٍ (الرحمٰن: ۲۹)	ایک نئی شان میں ہے،

یہ بھی فرمایا کہ:۔

هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ	وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (بقرہ: ۲۵۵)	والا ہے، نہ اس کو اونگھ لاحق ہوتی

ہے نہ نیند۔

انبیاء و رسل لوگوں تک صرف اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو پہنچانے کے لیے واسطہ و ذریعہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدۂ شفاعت کی بھی تردید کی ہے، اس کی اجازت ہی سے کوئی شخص کسی کی شفاعت اور سفارش کر سکتا ہے اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ پسند کرے گا اسی کے لیے شفاعت اور سفارش کی جاسکتی ہے جن لوگوں کی دعا، اطاعت اور عبادت اس کے لیے خالص نہ ہو بھلا ان کے لیے شفاعت کیا جانا وہ کیوں پسند کرے گا۔

مشرکین اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور کائنات میں تصرف کرنے والا مانتے تھے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے معبود ان کے اور اللہ کے درمیان واسطے اور وسیلے ہیں، یہی ان کی اصلی گمراہی تھی، خدا کو خالق، رازق اور متصرف فی الکائنات ماننے کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسی کے لیے دعا و عبادت بھی خالص ہو، ذبیحہ، قربانی اور نذر و نیاز اسی کے لیے ہو، اسی سے امیدیں وابستہ کی جائیں، اسی کا خوف دل میں ہو، کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنایا جائے، جن لوگوں کو وہ خدا کا شریک بناتے ہیں وہ، ملائکہ اور حضرت مسیحؑ قیامت کے دن ان کے شرک سے اپنی برأت کا اعلان کریں گے۔

دراصل عقیدہ میں رسوخ اور اس کا ہر قسم کے شک و شبہ سے خالی ہونا ضروری ہے، عقیدہ صالح ہوگا تو اعمال بھی ٹھیک ہوں گے اور اگر اس میں فساد پیدا ہوا تو اعمال میں بھی خیر و خوبی باقی نہیں رہے گی۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (زمر : ۶۵)

بے شک تمہاری طرف بھی اور تم سے پہلے والوں کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے عمل ڈھے جائیں گے اور تم نامرادوں میں سے ہو کر رہ جاؤ گے۔

دوسری جگہ ہے:

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (فرقان : ۲۳)

اور ہم ان کے ہر اس عمل کی طرف بڑھیں گے جو انھوں نے کیا ہوگا اور اس کو پراگندہ غبار بنا دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے ساتھ ہی معاد پر ایمان لانے کی بھی دعوت دی ہے یعنی اس دن کا اقرار جب اللہ تعالیٰ اجسام کو نئی زندگی بخشے گا اور مخلوقات اس کے روبرو پیش ہوں گی، قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں معاد کے وقوع کے دلائل بیان کیے ہیں، اس عقیدہ کی وجہ سے توحید کا اعتقاد بھی قوی اور توانا ہوتا ہے۔

قضا و قدر، کتب الٰہی اور ملائکہ پر ایمان جب دل میں مستحکم ہوتا ہے تو انسان کے اعضاء و جوارح اوامر کو قبول کرنے اور نواہی سے بچنے کے لیے تیار اور مستعد رہتے ہیں، اس لیے اسلام کے داعیوں کے لیے صحیح عقیدہ کا حامل اور شرک، بدعت اور معصیت کے شائبے سے بھی بعید رہنا ضروری ہے لیکن قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد لوگوں پر شیطان سوار ہو گیا اور وہ خرافات میں پڑ گئے، غلو کی بنا پر اولیاء و صلحا

کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کر لی گئیں، ان کی تعظیم کی جانے لگی، ان پر جانور ذبح کیے جانے لگے، نذر و نیاز ہونے لگا، یہاں تک کہ ارباب قبور سے دعا بھی کی جانے لگی اور انہیں ارباباً من دون اللہ بنا لیا گیا، حالانکہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحے میں امت کو یہ تنبیہ کی تھی کہ "یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا، تم لوگ میری قبر کو معبد بنا کر اس پر جشن نہ کرنا، مجھ پر درود بھیجو! تم جہاں سے بھی درود بھیجو گے وہ مجھے پہنچ جائے گا" لیکن آج اکثریت اس کو توسل اور جاہ و شفاعت کی طلب سمجھ کر اسے روا قرار دیتی ہے جو سراسر مغالطہ ہے، ارباب قبور کا حال تو یہ ہے کہ

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ (نحل: ۲۱)

وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور ان کو احساس بھی نہیں ہے۔

اس لیے قبروں پر مسجدوں کی تعمیر، اہل قبور کی تعظیم اور خدا کو چھوڑ کر انہیں پکارنا اور ان کی عبادت کرنا عین شرک ہے، مشرکین یہی تو کہتے ہیں کہ ان کے بت اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں گے، قبروں کو عبادت گاہ اور ارباب قبور کی تعظیم کرنے اور ان سے دعا مانگنے والے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی شفاعت کریں گے، نفع پہنچائیں گے اور نقصان کو دفع کریں گے جو جہل عظیم ہے۔ اسلام کے داعیو! اسلام کو ان خرافات اور شرک سے بچاؤ اور امت کو صحیح عقیدہ اور اخلاص کے ساتھ خدا کی دعا و عبادت کی تلقین کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ "میں نے تمھیں جو ترکہ دیا ہے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے، اگر اس کو مضبوطی سے پکڑو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔"

تحلیل و تحریم کا حق کتاب الٰہی کو ہے

خدا کی کتاب کلمہ حق کی بلندی اور مسلمانوں کے امن و اطمینان کی ضامن ہے، اسی کو حکم و حجت بناؤ، اسی سے فیصلہ طلب کرو، تحلیل و تحریم کا حق خدا ہی کو حاصل ہے، اللہ کے قانون کے علاوہ تمام قوانین ظلم و عدوان پر مبنی ہیں جن سے فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے، اللہ کی کتاب نے ہم کو جن اوامر کا مکلف بنایا ہے وہ سرتاپا خیر ہیں اور منہیات سے اس لیے روکا ہے کہ ان میں شر عظیم پنہاں ہے، ہدایت کے راستے پر گامزن ہونے اور شر و ضلالت سے محفوظ رہنے کا ذریعہ خدا کی کتاب ہی ہے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (طٰہٰ: ۱۲۳ و ۱۲۴)

تو جو میری ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ محروم رہیگا اور جو میری یاددہانی سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے ضیق کی زندگی ہوگی اور ہم قیامت کے دن اسکو اندھا اٹھائیں گے۔

قرآن کے سوا کسی اور کو حاکم ماننا اور اس سے فیصلہ طلب کرنا ہوائے نفس کو حاکم بنانا ہے۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً

کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور اس کو جس کو اللہ نے علم رکھتے ہوئے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور

فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (جاثیہ : ۲۳)

اس کے دل پر مہر کردی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، بھلا ایسوں کو کون ہدایت دے سکتا ہے، بعد اس کے کہ اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا۔

نیز فرمایا :-

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (مائدہ : ۴۹-۵۰)

اور یہ کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے ہوشیار رہو کہ مبادا وہ تمہیں اس چیز کی کسی بات سے پھسلا دیں جو اللہ نے تمہاری طرف اتاری ہے پس اگر وہ اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک ان لوگوں میں سے بیشتر نافرمان ہی ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں۔

اللہ کے حکم کے سوا ہر حکم جاہلی اور گمراہ کن ہے، اس کے احکام و قوانین عادلانہ ہیں جن میں ظلم و جور کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ (انعام : ۱۱۵)

اور تمہارے رب کی بات پوری ہوئی ٹھیک ٹھیک اور عدل کے ساتھ۔

یہ عادلانہ قوانین ہر زمانہ کے لائق اور ہر قوم کے حسب حال ہیں، اللہ کی کتاب میں ہر مشکل کا حل موجود ہے، جن لوگوں کو اس میں کوئی عیب نظر آتا ہے وہ ان کے فہم و ادراک کا قصور اور کتاب اللہ میں عدم تدبر کا نتیجہ ہے، تدبر کرنے والوں کے نزدیک یہ مشکل کشا اور رہنما ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ۔ (ص : ۲۹)

یہ نہایت مبارک کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں۔

وَنَزَّلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (نحل : ۸۹)

اور ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے ہر چیز کو کھول دینے کے لیے۔

سود | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں سود کے متعلق فرمایا تھا کہ "جاہلیت کے سود میرے قدموں کے نیچے پامال کر دیے گئے ہیں"۔ اللہ کے بندو! سود بہت بڑا گناہ اور ان سات ہلاک کرنے والی اشیا میں ایک ہے جن کی تحریم پر اللہ کے شرائع متفق ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی حرمت کا ذکر نزول قرآن کے آخری زمانہ میں ہوا ہے، اللہ کا فرمان ہے کہ :-

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ: ۲۷۵) — اللہ نے بیع کو حلال ٹھرایا اور سود کو حرام۔

سود نفع و برکت سے خالی ہے۔

یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ (بقرہ: ۲۷۶) — اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا۔

سود خوار اگر تائب نہیں ہوتا تو وہ اللہ ور سولؐ کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے۔

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (بقرہ: ۲۷۹) — تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ۔

آج ساری دنیا جس نقصان اور خسارہ سے دوچار ہے، اس کا سبب یہی سود ہے جو ایک عالمی جرم بنا ہوا ہے، مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنا اور سود کے تمام اسباب و وسائل سے بچنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سود کھانے، کھلانے اور اس کے معاہدہ کو لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اللہ کی لعنت ہو، یہ سب اس جرم میں برابر کے شریک ہیں، لیکن ضعیف الایمان اپنی خام خیالی کی بنا پر کہتے ہیں کہ سود کے خاتمہ سے اقتصادی ترقی رک جائے گی اور امت پس ماندہ ہو جائے گی، حالانکہ امت کی بھلائی سود سے بچنے میں ہے، سودی کاروبار معیشت کی تباہی کا سبب ہے، اس کو حرام اسی لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ ظلم و عدوان ہے۔

(باقی)

اخبار علمیّہ

مملکت مغربیہ یا مراکش اپنے قدرتی مناظر، بلند و بالا پہاڑوں اور سرسبز و شاداب میدانی علاقوں کے لیے مشہور ہے، شمالی افریقہ کے اس خطہ کو قدرت نے دریاؤں اور خوبصورت ساحلوں اور معتدل آب و ہوا کے علاوہ علم و تحقیق کی نعمت سے بھی بہرہ ور کیا ہے، چنانچہ اس کے سینکڑوں کتبخانوں میں نادر و نایاب کتابوں، مخطوطات اور اہم دستاویزوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے، فیض کی قدیم یونی ورسٹی، یوسف بن تاشفین کے شہر مراکش کی ابن یوسف یونی ورسٹی کے کتب خانوں کے علاوہ رباط کے مشہور حسنیہ کتب خانہ کے ہزاروں نادر مخطوطات اور نفیس مطبوعات، اسلامی علوم و فنون کی سطوت اور ایک اعلیٰ تہذیب و ثقافت کی داستان سناتے ہیں، سنہ ۸۴ء کے ایک جائزہ کے مطابق مراکش میں تقریباً ۲۷۸ اہم کتب خانے ہیں، نجی لائبریریوں کی تعداد بھی خاصی ہے، رباط، تطوان اور زاویہ کے کتبخانے گو جدید ہیں تاہم ان کا سرمایہ بھی کم نہیں، مراکش کے ان تمام کتب خانوں کے متعلق مفصل معلومات پیرس سے شایع ہونے والی ایک کتاب میں پیش کر دیے گئے ہیں، مس لطیفہ بنجلون کی یہ تالیف اصلاً پی ایچ ڈی کا ان کا مقالہ ہے، جسے انھوں نے سربون یونیورسٹی میں پیش کیا تھا، مؤلفہ نے کتابوں کے

علاوہ آثار علمیہ، تصاویر، نقشہ جات وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے، نادر مخطوطات کی
فہرست الگ ہے، کتاب کی زبان فرانسیسی ہے۔

———— • ————

مراکش کی مانند تونس بھی شمالی افریقہ کا ایک ملک ہے اس کی نیشنل
لائبریری میں بھی قدیم مخطوطات کا ایک خزینہ محفوظ ہے، اب اس کی
فہرست تونس سے عربی اور فرانسیسی میں شایع ہوگئی ہے، اس کے اہم
قلمی نسخوں میں قرآن مجید کے ساٹھ نسخوں کے علاوہ تفسیر، حدیث، علوم حدیث،
فقہ، تصوف اور دیگر اسلامی موضوعات پر بعض نہایت نایاب نسخے ہیں،
ان میں امام غزالی کی احیاء علوم الدین، مراکشی صوفی اور سلسلہ جزولیہ کے
بانی ابو عبداللہ جزولی کی دلائل الخیرات اور تلمسانی اور الاندلسی کے
بعض اہم نسخے بھی شامل ہیں، سفرناموں کے ۱۳ مخطوطات بھی اہم ہیں، طب،
کیمیا، ہیئت و فلکیات، ریاضی، جغرافیہ اور حربی علوم کے بعض اہم قلمی نسخے
بھی ہیں، کل ۱۰۱ مخطوطات کا ذکر ہے، اس کیٹلاگ سے نیشنل لائبریری کے
ذخیرہ نوادر کے تعارف کے علاوہ تونس کی قدیم علمی و ثقافتی زندگی کی عکاسی بھی
ہوتی ہے، ۱۹۸۹ء میں ان شاہکار قلمی نسخوں کی نمایش "مخطوطات، ثقافتی
تشخص اور تمدن" کے عنوان سے ہوئی تھی، اس موقع پر لائبریری کے ڈائرکٹر
ابراہیم شابوہ نے اس کیٹلاگ کو بھی مرتب کرکے شایع کیا تھا۔

———— • ————

گذشتہ دنوں دہلی میں کتب خانوں کے متعلق انٹرنیشنل فیڈریشن آف

لائبریری ایسوسی ایشنس (IFLA) کی ایک کانفرنس ہوئی، اس میں امریکا
کی پولیس کانگریس کے لائبریرین جیمس، ایچ بلنگٹن بھی شریک ہوئے، ٹائمز آف
انڈیا کے ایڈیٹر دلیپ پڈگاؤنکر نے ان سے ایک بہت عمدہ انٹرویو لیا،
اس میں جیمس بلنگٹن نے بڑے فخر سے کہا کہ "بے شبہ لائبریری آف کانگریس
کے پاس دنیا کے مختلف مذاہب اور تہذیبوں خصوصاً برصغیر کے تہذیب و
تمدن پر سب سے بڑا ذخیرہ کتب موجود ہے" انھوں نے امریکا میں ایسے
مراکز کی نشاندہی کی جہاں ہندوستانی ثقافت پر ہندوستان کی زبانوں
میں وافر تعداد میں کتابیں دستیاب ہیں اور اب واشنگٹن کے قلب میں واقع
جیفرسن بلڈنگ کو عالمی کتب خانہ کی شکل دی جارہی ہے، جس میں دنیا کے ہر
خطہ کے بارے میں مطالعہ کے لیے الگ الگ کمرے ہوں گے۔

———— • ————

اس اہم کانفرنس میں غیر ملکی نمائندوں کے علاوہ ہندوستان کے
کتب خانوں کے ذمہ دار بھی شریک ہوئے اور ان سب نے ہندوستانی
کتب خانوں کی حالت زار کا ذکر کرتے ہوئے سرمایے کی کمی، سیاست دانوں
کی بے توفیقی و بدذوقی اور حکام کی بے حسی کو اس کا اصل سبب قرار دیا، معلوم ہوا
کہ ۱۹۲ اہم کتب خانوں میں تقریباً ساٹھ فیصد ایسے ہیں جن میں لائبریرین
نہیں ہیں، راجستھان کے ایک نمائندہ نے شکوہ کیا کہ جودھ پور، جے پور،
اودے پور، کوٹا اور بیکانیر جیسے اہم شہروں کی سرکاری لائبریریوں میں
ایک بھی لائبریرین نہیں، شمالی ہند کی صورتحال اس سے بھی بدتر بتائی گئی،

پورے ملک میں صرف آٹھ ریاستوں میں پبلک لائبریری ایکٹ نافذ ہے، کیرلا اور آندھرا پردیش میں ان کی حالت قدرے غنیمت ہے تاہم وہاں بھی چار آدمیوں کے لیے ایک ہی کتاب مہیا ہوسکتی ہے۔ حکومت نے رواں دواں کتب خانوں کا سلسلہ جوش وخروش سے شروع کیا لیکن جلد ہی منتظمین کی بے توجہی سے کتب خانے تو غائب ہو گئے اور صرف سواریاں رہ گئیں جو گیریج کی نذر ہو گئیں یا پھر دوسرے کاموں میں استعمال کی جانے لگیں، اسکولوں اور تعلیمی اداروں کی لائبریریاں بھی اب نظر انداز کر گئی ہیں، تنخواہوں کا مسئلہ بھی اہم ہے، سنہ ۹۰ء میں لائبریری کے ملازمین کے لیے جو اسکیل مقرر ہوا اس پر سخت تنقید کی گئی، ایک لائبریرین نے کہا کہ سیاست دانوں کیلئے یہ کتب خانے چونکہ ووٹ بینک نہیں ہیں، اس لیے ان پر توجہ بھی نہیں، شکایت کا لب ولہجہ اتنا تلخ ہوا کہ "اگر ہم پولنگ بوتھ پر قبضہ کرنے والے گنڈے یا چمبل کے ڈاکو ہوتے تو حکومت کی نظر عنایت کے زیادہ مستحق ہوتے"۔

اسی سلسلہ میں ٹائمز آف انڈیا کے ایک خصوصی مضمون میں مکرانڈ پرانجپے نے لکھا کہ اس وقت کلکتہ کی نیشنل لائبریری، ایشیاٹک لائبریری، مدراس کی کانمارا (connemara) لائبریری اور حیدرآباد کی اسٹیٹ سنٹرل لائبریری میں قدر مشترک بات جمود، زوال، نااہلی اور تباہی ہے، ان قابل فخر کتبخانوں کی ترقی اور وسعت تو بہت پہلے رک گئی تھی لیکن اب تو باقیات کی حفاظت ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اسکی سب سے بڑی وجہ سرکاری سرپرستی سے محرومی اور وسائل کی معدومی ہے، نیشنل لائبریری کلکتہ میں گذشتہ دس برسوں میں شایع ہونے والی اہم کتابوں کی غیر موجودگی تکلیف دہ ہے،

موجود کتابوں کی فہرست بھی مکمل نہیں ہے، وہاں اب بھی نایاب کتابیں، آثار علمیہ اور انیسویں صدی کے اہم دستاویز موجود ہیں لیکن انکی نقل یا مطالعہ کیلئے انکا دستیاب ہونا دشوار کام ہے، سماجی علوم اور عمرانیات میں ہندوستان کی ایک بھی لائبریری اول درجہ کی تحقیق میں معاون نہیں ہوسکتی، سائنس اور ٹکنولوجی میں بجز چند کے کہیں تازہ مجلے بھی دستیاب نہیں، اسی لیے ہندوستانی تحقیق کا معیار پست ہوتا جاتا ہے۔ حالانکہ مغرب میں معلومات کی فراہمی کے نظام میں انقلاب آئے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا اب تو وہاں یہ حال ہے کہ ایک بٹن دبانے سے کسی بھی لائبریری میں معلومات کا انبار لگ جاتا ہے، بین المکتباتی نٹ ورک کے ذریعہ ترقی یافتہ ملکوں کے کسی کتبخانہ کی کوئی کتاب کم سے کم وقت میں حاصل کیجا سکتی ہے اور اس پورے نظام کو حکومت کی مالی سرپرستی حاصل رہتی ہے چنانچہ واشنگٹن کی لائبریری ہندوستان کی تمام زبانوں کی کتابیں اور رسائل خریدتی ہے، ہارورڈ اور دوسری لائبریریاں، تمام دنیا کی مطبوعات کو خریدنے کی استطاعت رکھتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانیات پر تحقیق کے لیے یہاں کے کتبخانوں کے مقابلہ میں امریکا کے کتب خانے زیادہ مفید اور کارآمد ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مرحوم میں انیسویں صدی کا بے مثال ذخیرہ کتب، رسائل محفوظ ہے، ریاست کے تمام سرکاری کاغذات، گزٹ اور اردو میں دوسرے علمی آثار وغیرہ کا بیش بہا خزانہ اسکے دامن میں ہے، جناب پرانجپے نے اپنے مرثیہ میں اسکا نوحہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب یہ سارا خزانہ نا قدری اور بے حسی کے ہاتھوں تلف ہوتا نظر آتا ہے، عوامی اور جمہوری نظام کے بالمقابل سلطانی نظام میں اس کتبخانہ کا کیا حال تھا، اسکی ایک جھلک مولانا سید سلیمان ندویؒ کی اس تحریر میں ملے گی "کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد کی علمی عمارت کا چوتھا ستون ہے، ہمارے خیال میں نوادر کی کثرت، قلمی کتابوں کی کثرت، فائدہ اٹھانے والوں کی کثرت، استفادہ کی سہولت اور حسن انتظام کے لحاظ سے یہ ہندوستان کے تمام شرقی کتبخانوں سے بہتر ہے"۔ فاعتبروا۔

(ع۔ص)

معارف کی ڈاک

مکتوب پیرس

باسمہ تعالیٰ، حامداً و مصلیاً

۲۸ صفر ۱۴۱۳ھ / اگست ۱۹۹۲ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ معارف کا تازہ شمارہ ۱۵۰/۲ آج پہنچا ممنون ہوا۔ اور کام چھوڑ کر اسے پڑھا اور مستفید ہوا۔

۱۔ اس کے صفحہ ۱۵۵ پر "تیونس" کی توقع نہیں تھی، آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ شاید وہاں انگریزی کا تلفظ یوں ہی ہوتا ہو۔ لفظ تونس ہے۔ بر موقع بھی لوگ تونس ہی کہتے ہیں۔

۲۔ صفحہ ۱۵۴ میں یہ اضافہ کردوں گا کہ ہجرہ کاؤنسل اسلام آباد نے جن ایک سو اہم کتابوں کے چھاپنے کا فیصلہ کیا ہے، ان میں نمبر (۲) پر القزوینی کی کتاب السرد و الفرد ہے۔ شاید ابھی وہاں نہیں آئی ہے، یہ حدیث کی اہم اور شاید قدیم ترین کتاب ہے۔ اس میں چند صحابہ کی تالیفیں یکجا کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت جعفر بن نسطور الرومیؓ ہیں جو نظر آتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے وقت تبوک میں مسلمان ہوئے، ان کے مزید کوئی حالات باوجود تلاش اب تک

نہ ملے، شاید آپ کو کچھ پتہ ہو۔

۳۔ صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۵ پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر کے ابتدائی حصے کے کوالالمپور میں چھپنے کا ذکر ملا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں یہ جامعۂ عثمانیہ کے پروفیسر سید عبداللطیف مرحوم کی کتاب کی مکرر طباعت ہے۔ حیدرآباد میں ایک عبداللطیف ٹرسٹ بھی ہے۔ ان کی شاید ساری ہی تفسیر انگریزی میں حیدرآباد دکن میں چھپی ہے، ملیشیا میں طبع ثانی ہے۔

ناچیز محمد حمید اللہ

(۲)

مکتوب بمبئی

بھیونڈی۔ بمبئی

۱۷ ستمبر ۹۲ء

مکرمی و محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

"معارف" مارچ ۹۲ء میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مومن کے مقالہ "صحیح بخاری کی روایت زنائے قردہ" میں متعدد جگہ غلط بیانی پائی جاتی ہے۔

۱۔ صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد دس ہزار بتائی ہے۔ (معارف ص ۱۶۵)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی صحیح تعداد سات ہزار تین سو ستانوے ۳۹۷ لکھی ہے[1] (ہدی الساری)

---

[1] معارف یہ کوئی تسلیم شدہ قول نہیں ہے اور نہ ڈاکٹر عبدالمومن کی بات بالکل بے بنیاد ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:
"جمیع ما فی الکتاب علی ہذا بالمکرر، تسعۃ آلاف واثنان وثمانون حدیثاً وخلا ذلک العدد خارج عن الموقوفات علی الصحابۃ والمقطوعات عن التابعین فمن بعدھم (مقدمہ فتح الباری ص ۴۷۰)

۲۔ امام بخاریؒ سے بلاواسطہ صحیح بخاری کی سماعت کرنیوالوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی گئی ہے (ص ۱۶۵)۔ جبکہ انکی تعداد نوے ہزار ہے[1]۔ (ملاحظہ ہو "الکمال فی اسماء الرجال")

۳۔ "اربع عشرۃ لیلۃ" کا ترجمہ "چودہ دن" کیا گیا ہے (ص ۱۶۶) جبکہ صحیح ترجمہ چودہ راتیں ہے[2]۔

۴۔ ص ۱۶۵ پر "باب بدء السلام" کو باب بدء الاسلام" لکھا گیا ہے جو غلط ہے[3]۔

۵۔ ص ۱۶۹ پر خلق اللہ آدم علی صورتہ کا ترجمہ کیا گیا ہے" اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔ یہاں ضمیر کو اللہ کی طرف لوٹایا گیا ہے جو غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ صحیح ترجمہ یوں ہے" اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو ان (آدمؑ) کی صورت کے مطابق پیدا کیا"[4]۔

۶۔ ص ۱۶۹ پر "صحیح بخاری کی کتاب بنیان الکعبۃ" لکھا گیا ہے جو غلط ہے"۔ بنیان الکعبۃ" کتاب کا نام نہیں بلکہ کتاب المناقب کے ایک باب کا نام ہے[5]۔

۷۔ ص ۱۶۵ پر بخاری کے جملہ رواۃ کی تعداد ۹۷ سے زائد بتائی گئی ہے۔ جبکہ بقول امام بخاریؒ انھوں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں[6]۔ (ہدی الساری، المطبعۃ الکبری المیریۃ، ص ۴۷۹)

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی مدینہ تشریف آوری سے متعلق بخاری کی دو روایتوں کو باہم متعارض بتا کر حافظ ابن حجرؒ پر یہ تہمت لگائی گئی ہے "حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ مذکورہ روایتوں میں باہمی تعارض پایا جاتا ہے اور اس بنا پر دونوں روایتیں ساقط الاعتبار ہیں"۔ (معارف ص ۱۶۶) جبکہ حافظ ابن حجرؒ نے چودہ راتوں والی روایت کو راجح قرار دیا ہے[8]۔ (فتح الباری ص ۴۳۸) والسلام محمد خالد پٹیل

---

[1] یہ فربری کا قول ہے جسکو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے مزید چند راویوں کے نام بھی دیے ہیں ملاحظہ ہو (مقدمہ ص ۴۹۲ ص ۴۹۳) اور مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں" لیکن حق یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگانا ایک دشوار امر ہے (سیرۃ البخاری خاتمہ ص ۲۷) [2] مطلب میں کیا فرق ہوا؟ [3] سہواً ہوا ہوگا [4] ص ۱۶۹ نہیں ص ۱۶۸ [5] شارحین نے ضمیر کا مرجع دونوں کو بتایا ہے (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳،۲) [6] کتاب احادیث الانبیاء اور کتاب المغازی کے درمیان کوئی اور کتاب نہیں ہے باب المناقب خود اول الذکر کے تحت ہے اور اسی کے تحت باب بنیان الکعبہ بھی ہے (دیکھئے فتح الباری ج ۷ ص ۶) [8] آپکے آخرالذکر یہی دو اعتراض صحیح ہیں باقی خوردہ گیری معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر بیجی انشیط کے مقالہ کے بارے میں آپکا تاثر بھی اسی طرح کا ہے اگر مذکرانہ حیثیت سے مومن صاحب کا معیاری جواب لکھا جاتا تو اسے بھی معارف میں شایع کر دیا جاتا مگر اتنا وقت گزر جانے کے بعد اب کسی مقالہ کی اشاعت کی گنجایش نہیں ہے۔

مطبوعات جدیدہ

اندلس کی اسلامی میراث، خصوصی شمارہ فکر و نظر۔

مدیر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن، بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت خوبصورت سرورق، صفحات ۷۹۰، قیمت ۱۰۰ روپیے، پتہ: ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد پاکستان۔

اسپین میں مسلمانوں کی عظیم الشان حکومت اور تقریباً آٹھ سو سال تک ان کے علم و تہذیب اور ثقافت و تمدن کی فرمانروائی کی تاریخ فخر، مسرت، درد و الم اور عبرت و بصیرت کا مرقع ہے، تہذیب حجازی کے اس پُر عظمت مزار پر جہاں چشم خونناب بار دل کھول کر روئی ہے وہاں قلب و ذہن نے عروج و زوال کے اسباب و علل پر بھی غور کیا ہے اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر مجموعہ مقالات ہے جو اردو زبان کے ذخیرۂ اندلسیات میں ایک مفید اور اہم اضافہ ہے، یہ دراصل پاکستان کے سرکاری سہ ماہی مجلہ فکر و نظر کا خاص نمبر ہے، اس کے تقریباً ۸۰۰ صفحات میں اسلامی اندلس کی اسلامی میراث کے مختلف پہلوؤں پر جامع اور سیر حاصل مقالات شامل ہیں، علمائے اندلس خصوصاً امام شاطبی، حافظ ابن عبدالبر، ابن رشد اور بقی بن مخلد کے سوانح تفصیل سے دیے گئے ہیں اور مختلف علوم و فنون جیسے فلسفہ و کلام، طب اور فن تعمیر میں بھی مسلمانان اندلس کے کارہائے نمایاں کو تازہ کیا گیا ہے، ایک باب 'اقبالیات اور اندلس' کے لیے خاص ہے، اسپین کے اردو

سفرناموں کا جائزہ دلچسپ اور پُراز معلومات ہے، سہو طباعت سے پاک ہونے کے باوجود چند غلطیاں در آئی ہیں مثلاً استسقار بجائے استقصار اور کلیہ تاریک کی جگہ کلیہ ناریک چھپ گیا ہے، حافظ حدیث اور طرق حدیث کے ماہر، نہایت عابد و زاہد اور امام احمد بن حنبل سے سماعت حدیث کا شرف حاصل کرنے والے محدث امام محمد بن وضاح القرطبی کی تعریف و تحسین کے باوجود ان کو منکرین رواۃ میں شامل کرنا حیرت انگیز ہے ص۱۲۵، آخر میں کتاب نامہ اندلس کے تحت اردو کے اندلسی ذخیرہ کی مفید فہرست بھی شامل ہے۔

فقہ اسلامی اصول، خدمات اور تقاضے، خصوصی شمارہ سہ ماہی صفا، مرتبین جناب مولانا محمد رضوان القاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت، صفحات ۴۵۴، قیمت ۱۰۰ روپے، پتہ: دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد، اے، پی۔

حیدرآباد دکن کے دار العلوم سبیل السلام میں مجمع الفقہی الاسلامی کا چوتھا سیمینار منعقد ہوا تھا اس میں معاشیات سے متعلق چند اہم مباحث مثلاً بینک کاری، بین ملکی تبادلہ رقوم وغیرہ موضوع فکر و تحقیق تھے، اس کا ذکر معارف کے صفحات میں بھی آچکا ہے، اسی موقع پر ادارہ کے ترجمان رسالہ سہ ماہی صفا نے ایک خصوصی شمارہ شایع کیا ہے، اس میں فقہ و اصول فقہ کی تاریخ، چاروں ممتاز مکاتب فقہ اور ان کے ائمہ کے علاوہ فقہ ظاہری اور امام ابن تیمیہ کے فقہی مسلک کا ذکر بھی ہے اور مصادر فقہ، اجتہاد، تقلید، اختلاف، نسخ اور عصر حاضر جیسے موضوعات پر عمدہ مضامین درج ہیں، فقہائے ہند کی مساعی

خصوصاً ان کی فقہی کتابوں کا جائزہ بھی لیا گیا اور مستشرقین کے شبہات کے رد و ابطال میں بھی دو اہم مضامین شریک اشاعت کیے گئے، اس طرح اپنے موضوع کی مناسبت سے عمدہ اور کافی معلومات کو سمیٹ لیا گیا ہے انکے علاوہ دینی مدارس میں مروج نصابی کتب فقہ کا جائزہ خاص طور سے قابل ذکر ہے اور صاحب قلم کی اصابت رائے کا غماز ہے، اس میں انھوں نے بعض کتابوں کی تعلیم پر اصرار اور بعض نہایت مفید کتابوں سے محض تعصباً صرف نظر کیجانب خاص طور پر توجہ دلائی ہے، فصول الحواشی کے مرتب کا نام رہ گیا ہے، بیشتر مضامین دار العلوم سبیل السلام کے علماء کے قلم سے ہیں، ان میں اعتدال و توازن ہے، اس سے علم فقہ سے دار العلوم کے شغف و اعتناء کا اندازہ ہوتا ہے۔

سرسیّد کی تعزیتی تحریریں از جناب اصغر عباس صاحب، متوسط تقطیع عمدہ کاغذ، کتابت و طباعت، صفحات ۱۳۵، قیمت ۱۲ روپیے، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ۔

سرسید مرحوم کے محاسن و فضائل میں بڑی خوبی ان کا مرجع خلائق ہونا ہے، ان کی اقلیم محبت اخلاص میں اہل علم و فضل اور صاحبان حکومت و ریاست کے علاوہ مدرسۃ العلوم کے طلبہ و ملازمین بھی نظر آتے ہیں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں وہ برسوں مذہبی، قومی اور ملکی مسائل پر اظہار خیال کرتے رہے، ان کا مجموعہ کسی دفتر بے پایاں سے کم نہیں، اس میں معاصرین و احباب کے دائمی فراق پر ان کی تعزیتی سطریں بھی شامل ہیں، زیر نظر کتاب میں فاضل مولف نے سلیقہ سے ان کو مرتب کر دیا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

سے راجہ شیو پرشاد تک تقریباً ۱۵۰ اشخاص کا ذکر ہے، ان سب کا تعلق مولف کے خیال میں کسی نہ کسی طور پر علی گڑھ تحریک سے رہا، سرسید کے قلم سے ان تمام اشخاص کے کردار و سیرت کا اصل جوہر سامنے آگیا ہے، انکا احساس و شدت تاثر بھی بے تکلف اور بے ساختہ ہے، بعض مرتبہ غم کی شدت سے ان میں مایوسی اور قنوطیت جھلکتی ہے، مثلاً میر عباس مرحوم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بس عربی علم و ادب کا ہندوستان سے خاتمہ ہوا" شمس العلماء مولوی محمد حسن صاحب قنوجی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "ہم علی گڑھ میں بیٹھے انکو، انکے اسکول کو رو رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے بعد محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا بھی یہی حال ہونا ہے مگر آرزو ہے کہ خدا ایسا نہ کرے" شکر ہے کہ انکی یہ آرزو پوری ہوئی۔ فاضل مرتب کے خیال میں کتاب میں شامل تمام تحریریں آثار و شواہد کی بنا پر سرسید ہی کی ہیں لیکن بعض تحریروں کے قرائن سے اسکی نفی ہوتی ہے، مثلاً حافظ عبدالرحمٰن مرحوم منہ کے متعلق تحریر میں صراحتاً لکھا ہے کہ "سید احمد خاں کو انکے انتقال کا بہت رنج ہوا" ظاہر ہے کہ یہ سرسید کی تحریر نہیں، آخر میں موضوع کی مناسبت سے سرسید کے دو اور مضامین 'زندگی اور موت' اور مرثیہ مصائب اندلس بھی شامل ہیں، یہ سید یحییٰ قرطبی کے ایک عربی مرثیہ کا ترجمہ ہے، لائق مولف نے بعض اشخاص کے مختصر حالات بھی جمع کر دیئے ہیں۔

ملت میں گم ہوجا از جناب اقبال خاں، صفحات ۴۸، قیمت سوا سات روپیے

پتہ: مکتبہ عنایت، موضع کلونا، ڈاکخانہ جیرکی، ضلع گیا، بہار۔

اس مختصر رسالہ میں مسلمانوں اور انکی تنظیموں اور اداروں کو بڑے اخلاص و دردمندی سے باہمی اختلاف و عناد سے دور رہنے اور اتحاد و اتفاق سے ملت کی سربلندی کے لیے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے مولانا تھانویؒ، مولانا حالی، علامہ اقبال، مولانا آزاد، مولانا محمد یوسف، مولانا مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور بعض دوسرے اہل قلم کی مفید تحریروں کو یکجا کیا گیا ہے، لائق مرتب کا یہ جذبۂ دینی حمیت اور تڑپ قدر کے لائق ہے، کاش انکی دردمندانہ صدا پر توجہ دیجاتی۔

(ع۔ ص)